نقاب کے پیچھے
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ اور
انسپکٹر جمشید کے کارنامے ۲۷

نقاب کے پیچھے

اشتیاق احمد

بار اول :
طابع : اشتیاق احمد
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
خوشنویس : مہر عبدالستار، راجہ جنگ
طباعت سرورق : سپریم پرنٹرز، لاہور
آرٹسٹ : محمد جاوید چغتائی، لاہور
قیمت : ر

اشتیاق پبلیکیشنز، راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور

دو باتیں

اس بار کا ناول اس لحاظ سے اہم کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مجرم جیرال کا انتقام لینے کے لیے آیا تھا۔ وہ کون تھا، یہ آپ کو ناول پڑھ کر معلوم ہو جائے گا۔ اس ناول میں آپ اس کی صرف ایک جھلک ہی دیکھ سکیں گے، صرف جھلک دیکھنے پر آپ لال پیلے نہ ہو جایئے گا، کیونکہ لال پیلا ہونا صحت کے لیے سخت مضر ہے، ہاں نیلا پیلا ہونے پر میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ آپ کہیں گے، میں اس مرتبہ رنگوں کے پیچھے پڑ گیا، کیا کروں، یہ دنیا ہے ہی رنگ و بو کی دنیا، چلیے رنگ اور بو کی بات جانے دیجیے، ناول کی بات کر لیتے ہیں، لیکن ناول کی بات کرنے سے کیا حاصل، یہ تو آپ پڑھ ہی لیں گے۔ اور اس کے بارے میں پہلے سے کچھ بتانا کچھ زیب نہیں دیتا، اس کے بارے میں اگر آپ مجھے کچھ بتائیں گے تو یہ ضرور زیب دے گا۔ لہٰذا میں اسی پر اکتفا کروں گا، کیونکہ یہ "دو باتیں" ہیں، چار یا آٹھ نہیں۔

اشتیاق احمد

ترتیب

- سیاہ بٹن
- شاہد کی ٹانگ
- نئی اطلاع
- حکیموں کا جنگل
- اوچھا وار
- عارف وارثی
- سٹی گم
- دوسرا جبرال
- تہ خانے کی دیوار
- ایوان صدر میں
- نقاب یا .....

سیاہ بٹن

محکمہ سراغرسانی کے تمام افسر آئی جی صاحب کے کمرے میں جمع تھے۔ انہیں ابھی چند منٹ پہلے ان کے کمرے میں پہنچنے کا حکم ملا تھا۔ سب کے آجانے کے بعد بھی آئی جی خاموش ہی رہے۔ سب کی بے چینی بڑھنے لگی۔ آخر ڈی آئی جی صاحب سے رہا نہ گیا، بول ہی پڑے:

"معلوم ہوتا ہے، کوئی بہت سنگین مسئلہ ہے۔"

"ہاں .... آ..... آپ کا خیال ٹھیک ہے، میں اس وقت بہت پریشان ہوں، اس لیے آپ سب کو تکلیف دی ہے، بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک دوست ملک کے وزیر دفاع آ رہے ہیں۔ حکومت ان سے کوئی خفیہ معاہدہ کرنا چاہتی ہے، ان کے یہاں دورے کے دوران انہیں اہم فوجی ٹھکانے بھی دکھائے جائیں گے اور انتظامات کی تفصیل سے بھی آگاہ کیا جائے گا، بدلے میں وہ اپنے ملک کے دفاعی انتظامات کے بارے میں بتائیں گے، پھر ہمارے وزیر دفاع ان کے ملک میں جاکر ان کے انتظامات کا

جائزہ لیں گے، دونوں ملک پڑوسی بھی ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے بہترین دوست بن کر دشمن ملک کے خلاف ایک مضبوط طاقت بن جائیں۔" یہاں تک کہہ کر آئی جی صاحب چند لمحوں کے لیے رکے، اسی وقت ایک آفیسر بول اٹھا:

"یہ تو بہت اطمینان بخش بات ہے، اس میں فکرمند ہونے والی کون سی بات ہے؟"

"فکرمند ہونے والی بات یہ ہے کہ دشمن ملک میں موجود ہمارے کچھ جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ دشمن ملک اس معاہدے میں رکاوٹ ڈالنے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ وہ اس سلسلے میں کیا قدم اٹھانے والا ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا۔"

"تو پھر اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ فی الحال اس پروگرام کو کینسل کر دیا جائے۔" انسپکٹر جمشید نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

"کئی دوسرے آفیسروں کی رائے بھی یہی تھی، لیکن پروگرام کینسل نہیں ہو سکتا۔" آئی جی فکرمند لہجے میں بولے۔

"کیوں؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"اس لیے کہ یہ دونوں ملکوں کی آن کا سوال ہے، پروگرام کینسل کرنے پر دشمن ملک خوب پھبتیاں کسے گا۔"

"لیکن یہ تو خفیہ دورہ ہوگا۔" ڈی آئی جی بولے۔

"دورہ خفیہ نہیں ہوگا، معاہدہ خفیہ ہوگا اور فوجی ٹھکانے دکھائے جانے کے وقت صرف وزیر دفاع ساتھ ہوں گے، ان کے ساتھ آنے والا وفد اس موقعے پر ساتھ نہیں ہوگا۔"

"اوہو! تو یہ بات ہے۔"

"جی ہاں! اب ہمارے لیے مسئلہ یہ ہے کہ دشمن ملک کا منصوبہ کیا ہے، وہ کیا کرنا چاہتا ہے، جہاں تک میرا خیال ہے، وہ وزیر دفاع پر حملہ کریں گے۔"

"اوہ!" کئی آوازیں ابھریں پھر ڈی آئی جی صاحب بولے: "آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید کے علاوہ سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"جمشید! تم خاموش ہو، کیا تمہارے خیال میں ایسا نہیں ہوگا؟"

"جی نہیں، وہ ضرور کسی اور رخ سے وار کریں گے، کیونکہ جس طرح ہم سب سے پہلے اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ وہ وزیر دفاع پر حملہ کریں گے، اسی طرح وہ بھی یہ اندازہ لگا چکے ہیں کہ ہم یہی سوچیں گے، چنانچہ میرے خیال کے مطابق وہ ایسا نہیں کریں گے، تاہم میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ میرا خیال سو فیصد درست ہی ثابت ہوگا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اگر تمہارے خیال کو بالکل درست بھی مان لیا جائے، تو بھی ہمیں حملے کے خطرے سے بے فکر نہیں ہو جانا چاہیے، مہمان وزیر کی حفاظت کا بندوبست تو ہمیں کرنا ہی ہوگا۔" ڈی آئی جی صاحب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔" ایک آفیسر بولا۔

"ہمیں ہر ممکن حفاظتی انتظامات کرنے ہوں گے اور اس کے لیے ہم سب اسی وقت سے کوشش شروع کریں گے، کیونکہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ..... شام چھ بجے وہ پہنچ رہے ہیں۔"

"تو کیا گڑبڑ کی خبر آپ کو ابھی ابھی ملی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! ورنہ کئی روز پہلے ہی میٹنگ بلا چکا ہوتا اور حفاظتی انتظامات کیے جا چکے ہوتے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"تب تو معاملہ حد درجے سنگین ہے۔" ڈی آئی جی بے چین ہو اٹھے۔

"تو پھر اٹھیے اور اپنے اپنے تمام اختیارات کام میں لائیے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ سب ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انسپکٹر جمشید بھی ان کے ساتھ کمرے سے نکلنے لگے تو

شیخ صاحب کی آواز نے ان کے قدم جکڑ لیے:

"جمشید! تم ذرا ٹھہرو!"

○

کمرے میں جب ان دونوں کے علاوہ کوئی نہ رہا تو شیخ نثار احمد صاحب نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں پوچھا:

"تو پھر جمشید تمہارے خیال میں حملہ کس رخ سے ہوگا؟"

"ابھی تک میں بالکل اندازہ نہیں لگا سکا جناب! یہ بالکل درست ہے۔" وہ مسکرائے۔

"تو تمہارے خیال میں مہمان پر حملہ نہیں ہوگا۔"

"جی نہیں! وہ ایسا نہیں کریں گے آخر انہیں ایسا کر کے کیا فائدہ ہوگا، ہمارا دوست ملک کوئی اور آدمی بھیج دے گا۔"

"بات تو تم بھی ٹھیک کہتے ہو، لیکن اس صورت میں کہ ہم کوئی اور اندازہ بھی نہیں لگا سکے، ان کی حفاظت کے انتظامات کرنے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں خود ایک معمولی کانسٹیبل کی طرح ان کی حفاظت کے فرائض انجام دوں گا، آخر یہ ہمارے اور ان کے ملک کی عزت کا سوال ہے۔"

"مجھے تم سے ہمیشہ یہی امید رہی ہے اور تم نے آج تک میری امید کو ٹھیس نہیں پہنچائی، جاؤ میں تمہاری کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ خود بھی اُٹھے، پھر انسپکٹر جمشید کو چونکتے دیکھ کر انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا:

"خیر تو ہے؟" انہوں نے بے تاب ہو کر کہا۔

"اس دورے کا پروگرام کب بنا تھا جناب"

"کیوں! یہ کیوں پوچھا؟"

"ایک خیال ابھی ابھی آیا ہے، مہربانی فرما کر جلدی سے بتائیے، دورے کی تاریخ کب طے ہوئی تھی؟"

"ایک سال پہلے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اوہ! ایک سال کے دوران تو دشمن ملک نہ جانے کیا کیا پروگرام بنا چکا ہو گا، بشرطیکہ وہ واقعی کوئی گڑبڑ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

"خدا کے لیے مجھے ڈراؤ نہیں۔"

"اللہ بہتر کرے، خدا کرے میرے تمام خیالات غلط ثابت ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے اور شیخ صاحب کے پیچھے چلتے ہوئے کمرے سے نکلنے ہی لگے تھے کہ ایک بار پھر ٹھٹک کر رہ گئے۔ ان کے منہ سے بے ساختہ

اوہ نکل گیا۔ آئی جی صاحب فوراً مڑے اور بولے:

"اب کیا ہوا، کیا کوئی اور خیال آیا ہے؟"

"خیال نہیں جناب! ایک چیز نظر آئی ہے۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"کیا چیز نظر آئی ہے؟" وہ بولے۔

"اب میں خطرہ سر پہ محسوس کر رہا ہوں، دشمن ہماری تمام گفتگو سن چکا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے کمرے میں اس سلسلے میں کوئی میٹنگ ہو گی۔"

"کیا بات کہتے ہو جمشید، یہ پروگرام بالکل ابھی ابھی بنا تھا اور میں نے اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں لیا، نہ کسی کو بتایا۔"

"آپ غلط سمجھے، ذرا اس سیاہ رنگ کی بٹن نما چیز کو دیکھیے....."

آئی جی صاحب نے اس طرف نظر اٹھائی اور پھر ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، وہ اس طرف ساکت رہ گئے، جیسے ان کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

شاید کی ٹانگ

نیشنل پارک سے نکلتے ہی وہ اس لمبے آدمی کو دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ چہرے پہ بوکھلاہٹ کے آثار طاری تھے اور ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا، جسے اس نے کچھ ایسی مضبوطی سے تھاما ہوا تھا جیسے اس کے پَر ہی تو نکل آئیں گے اور وہ اڑنچھو ہی تو ہو جائے گا۔

"یار! اس بریف کیس والے کو دیکھ رہے ہو؟" محمود نے دبے لہجے میں کہا۔

"ہاں دیکھ رہا ہوں، کیونکہ میری آنکھیں بند نہیں ہیں، یوں بھی میں آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی ہوں، خاص طور پر سڑک پر چلتے ہوئے تو آنکھیں بند رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں یہ سوال اس وقت ضرور پیدا ہو سکتا ہے جب کے موجود ہوں اور کسی گہری سوچ میں غرق بھی ہوں کر ایک سوچ کا زیادہ گہرا ہونا بھی ضروری نہیں ہے بے ساختہ

پر بھی میں آنکھیں بند کر لیا کرتا ہوں۔ لیکن تم اس سے غلط مطلب نہ لے لینا۔ آنکھیں بند کر لینا دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی دنیا سے رخصت ہونے کے معنوں میں .... اگر تیسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہو تو بھی میں کیا کر سکتا ہوں۔" فاروق رکے بغیر کہتا چلا گیا۔

"شکر ہے کہ تم اس بریف کیس والے کو دیکھ رہے ہو، یہ مجھے گھبرایا ہوا اور بوکھلایا ہوا نظر آ رہا ہے، بریف کیس کو اس نے اس طرح تھاما ہوا ہے جیسے اس میں قارون کا خزانہ ہو۔ لہذا میں اس کا تعاقب کرنے جا رہا ہوں، اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو سیدھے گھر چلے جاؤ، کیونکہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ بات کوئی بھی نہ ہو اور یہ کسی معمولی وجہ سے اس قدر بوکھلایا ہوا نظر آ رہا ہو، اس صورت میں تم میرا خوب مذاق اڑاؤ گے، لیکن میں آج کل مذاق اڑوانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم مذاق اڑوانے کے موڈ میں نہیں ہو، چلو خیر تم بھی کیا یاد رکھو گے، میں بھی تمہارا ساتھ دوں پھر اور اگر کوئی خاص بات نہ ہوئی تو ہم دونوں اپنا مذاق اڑا لیں جیسے ان دے نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

س والا ان سے چند قدم آگے تھا اور شاید کی

رکشے یا ٹیکسی کی تلاش میں تھا۔ وہ بھی رکشے کی تلاش میں نظریں
دوڑانے لگے۔

"ویسے میرا خیال ہے، یہ بھی پارک سے ہی نکلا ہے" محمود بولا۔

"ہو سکتا ہے تمہارا یہ خیال ٹھیک ہو، لیکن تم اس خیال
کے ذریعے کیا بات ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"شاید یہ بریف کیس اسے کسی نے دیا ہے۔"

"یہ ہم شاید کی ٹانگ ہر بات میں کیوں اڑا دیتے
ہیں۔"

"ہم کہاں اڑاتے ہیں۔ خود بخود اڑ جاتی ہے۔"

اس وقت انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ چند قدم کے
فاصلے پر کھڑے اس آدمی کے پاس سے ایک چھوٹے قد کا
آدمی گزرا تھا اور جب وہ آگے بڑھ گیا تو انہیں لمبے قد والے
کے ہاتھ میں بریف کیس نظر نہ آیا۔

"ارے! وہ اس کا بریف کیس لے اڑا اور یہ اسی طرح
ساکت کھڑا ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! حالانکہ اس سے پہلے اس نے بریف کیس کو بہت
مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔" محمود کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

"فاروق میری ایک تجویز ہے۔"

"میں جانتا ہوں، اس موقعے پر تمہاری کیا تجویز ہو سکتی ہے۔

یہی کہ ایک کا تعاقب میں کروں گا اور دوسرے کا تم.....
کیوں یہی تجویز ہے نا..... تو سنو، میں اس لمبے قد والے
کے پیچھے جا رہا ہوں، تم چھوٹے قد والے آدمی کو سنبھالو۔"

"بہت خوب!" محمود نے یہ کہہ کر قدم آگے بڑھائے
ہی تھے کہ چھوٹے قد والے کو ایک رکشہ مل گیا۔ یہ دیکھ
کر محمود بوکھلا گیا، کیونکہ دور دور تک کسی دوسرے رکشے
یا ٹیکسی کا نشان نہیں تھا۔

"اب میں کیا کروں۔"

"رکشے کے پیچھے دوڑ لگا دو۔" فاروق نے کہا اور لمبے قد
والے کے پیچھے چل پڑا۔ اب بریف کیس اس کے ہاتھ میں نہیں
تھا اور وہ مزے مزے سے چلا جا رہا تھا، دوسری طرف محمود
ابھی تک ٹرک پر کھڑا چکرا رہا تھا۔ اچانک ایک کار اسے اپنی
طرف آتی دکھائی دی۔ اس نے لفٹ کا اشارہ کر دیا۔ کار والا
کوئی شریف آدمی تھا۔ فوراً رک گیا۔ محمود شکریہ ادا کرتے ہوئے
کار میں بیٹھ گیا اور بولا۔

"معاف کیجیے گا جناب! آپ کو اس رکشے کے پیچھے چلنا
پھر ہے..... وہ دیکھیے، وہ موڑ مڑ رہا ہے۔"

بیٹے ان "کیا مطلب؟" کار والا چونکا۔

کے کا تعاقب کرنے کے سلسلے میں میری مدد کر کے

آپ قوم اور ملک کے کام آئیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اگر ہم رکشے کو کھو بیٹھے تو یہ بہت بری بات ہوگی
آپ کار آگے بڑھایئے میں آپ کو بات بتا دوں گا۔" محمود
نے پریشان ہو کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر کار والے نے کار تیز
رفتار پر چھوڑ دی۔

"اب بتاؤ۔ کیا بات ہے؟"

"اس رکشے میں دشمن ملک کا ایک جاسوس بیٹھا ہے"

"کیا کہا۔ دشمن ملک کا جاسوس؟" کار والے نے بوکھلا
کر کہا۔

"جی ہاں! ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کہاں جاتا ہے؟"

"لیکن اس قسم کے کاموں سے ایک لڑکے کا کیا تعلق"
کار والے نے سوال کیا۔

"میرا نام محمود ہے اور میں انسپکٹر جمشید کا بیٹا ہوں
اس قسم کے کاموں سے ہمارا واسطہ آئے دن پڑتا رہتا
ہے۔ رکشے میں جو آدمی بیٹھا جا رہا ہے، اس کے ہاتھ میں
ایک بریف کیس ہے، اس نے یہ بریف کیس ایک دوسرے
آدمی کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ میں لیا ہے، دوسرے آدمی

نے اس پر کوئی اعتراض نہیں جس کا مطلب یہی ہے کہ کوئی
گہرا چکر چل رہا ہے اور میں بھی یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں
کہ کیا چکر ہے۔"

"بہت خوب! اب مجھے اطمینان ہے کہ میں نے کسی غلط
شخص کو لفٹ نہیں دی اور یہ کہ تعاقب کر کے میں کوئی
جرم نہیں کر رہا۔" کار والے نے کہا اور رفتار اور بڑھا دی۔
موڑ مڑتے ہی انہیں وہ رکشا نظر آگیا۔ یہ شہر کی سب سے
بڑی اور کشادہ سڑک تھی اور شہر کے عین درمیان سے گزرتی
تھی۔ پھر پرفضا اتنی کہ اس کے دونوں طرف سرسبز درخت
ہی درخت تھے۔ اس پر سے گزرتے ہوئے یوں لگتا جیسے
کسی پہاڑی سڑک پر سے گزر رہے ہیں۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں جناب! آپ کا کیا نام ہے؟"

"مجھے عارف وارثی کہتے ہیں..... تجارت میرا پیشہ ہے، دوسرے
ملکوں کی مصنوعات یہاں لاکر فروخت کرتا ہوں اور اس طرح کافی
منافع کماتا ہوں۔"

"بہت خوب!" محمود نے مطمئن انداز میں کہا، اچانک اس نے
عارف وارثی کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوتے دیکھے۔

"کیا بات ہے جناب!" اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"عجیب سی بات ہے، رکشے والے کا رخ..... وہ کہتے

کہتے رک گیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر وہ
بڑبڑایا۔

"یہ کیا ماجرا ہے۔"

محمود نے دیکھا، اس کی پیشانی پر بے شمار بل پڑ گئے
تھے اور وہ بری طرح بے چین ہو گیا تھا..... دوسری طرف
رکشا سڑک کے کنارے ایک بڑی سی عمارت کے سامنے رک
گیا تھا۔

○

فاروق نے لمبے لمبے ڈگ بھرے اور لمبے قد والے کے برابر
پہنچ گیا۔ اس نے بھی یہ بھانپ لیا کہ کوئی اس کے ساتھ ساتھ
چل رہا ہے، آخر وہ رک گیا اور فاروق کو گھورنے لگا۔ فاروق
بھی رک گیا۔

"کیا بات ہے جناب آپ چلتے چلتے رک کیوں گئے؟"

"تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"ہاں واقعی یہ ٹھیک ہے، میں کوئی بھی نہیں ہوتا۔" فاروق نے
مسمی صورت بنا کر کہا۔

"تو پھر جاؤ اپنا راستہ ناپو۔" لمبا آدمی بولا۔

"تھوڑی دیر پہلے آپ کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا، وہ

ایک چھوٹے قد والے نے آپ کے ہاتھ سے اچک لیا، کیا
آپ اس کی رپورٹ درج نہیں کرائیں گے؟"

"نہیں! اس میں ایسی کوئی خاص چیز نہیں تھی۔" وہ بولا۔

"جب آپ کے ہاتھ میں وہ بریف کیس تھا، اس وقت آپ
کافی پریشان دکھائی دیتے تھے، پھر جونہی وہ آپ کے ہاتھ سے
لے لیا گیا، آپ پرسکون ہو گئے۔ کیا آپ اس کی وجہ بتا سکتے ہیں؟"

"اوہ! تو تم نے یہ بات محسوس کر لی، بہت تیز نظر ہے تمہاری۔"

"جی نہیں۔ لوگوں کا خیال ہے، نظر اور دوسری چیزوں کی
نسبت میری زبان تیز ہے۔" فاروق نے معصومانہ انداز میں کہا۔

"ہو گی، مجھے کیا، بریف کیس کی کہانی بہت عجیب ہے، اب
میں تمہیں کیا بتاؤں۔"

"جو کہانی ہے، وہی بتائیے۔"

"اچھا خیر بتائے دیتا ہوں، اس بہانے میرا راستہ ہی
طے ہو گا اور شاید دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے۔ چند دن
ہوئے ایک شخص نے رات کے وقت میرے گھر کے دروازے
پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا، وہ ایک
پتلا دبلا سا آدمی تھا، اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔
بریف کیس اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا، مجھے دیکھتے
ہی کہنے لگا، میں مسافر ہوں اور ایک رات کسی جگہ گزارنا چاہتا

ہوں ، میں ہوٹل یا سرائے میں بھی ٹھہر سکتا تھا ، لیکن میرے
پاس کسی کی امانت ہے ۔ ہوٹل وغیرہ کی صورت میں خطرہ ہے
کہ یہ امانت مجھ سے چھین لی جائے گی ۔ اس لیے میں کسی
الگ تھلگ جگہ کی تلاش میں یہاں تک آ پہنچا ہوں ۔ میں ا
اندر لے آیا اور اس سے پوچھا ، کیا وہ امانت اس بریف کیس
میں ہے ، اس نے ہاں میں سر ہلایا اور کہنے لگا ۔ ابھی مجھے
اور آگے جانا ہے ، تاکہ یہ امانت اس آدمی تک پہنچا سکوں
اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس بریف کیس میں ہے کیا ۔ رات
اس نے میرے گھر میں گزاری ، صبح وہ اٹھا تو بہت پریشا
تھا ، کہنے لگا میرے دل میں اچانک بہت درد ہونے لگا ۔
شاید اب میں یہ امانت اس کے مالک تک نہ پہنچا سکوں ، اس
لیے اب یہ امانت تمہارے پاس رہے گی ، میں اس کے بلا
اس کے مالک تک پہنچنے کی کوشش کروں گا ، اگر پہنچ گ
اسے تمہارے بارے میں بتا دوں گا ، وہ تم سے اپنی امانت
لے گا ، اور اگر کوئی نہ آیا تو بریف کیس پھر تمہارا ہو گا ،
اسے کھول لینا ..... میں نے جب یہ پوچھا کہ وہ شخص میرے
پاس کس طرح پہنچے گا تو اس نے کہا کہ ہفتے کے روز ش
پونے پانچ بجے نیشنل پارک کے دروازے پر پہنچ جاؤں اور د
سے چند قدم چل کر سڑک کے کنارے کھڑا رہوں ، امانت ک

حق دار خود ہی آئے گا اور کچھ کہے بغیر اپنا بریف کیس تمہارے
ہاتھ سے لے لے گا ، بس تم سمجھ جانا کہ یہی بریف کیس کا مالک
ہے ۔ اس طرح تمہارا کام مکمل ہو جائے گا ، اس کے بعد تم اپنے
گھر آ جانا اور اس کام کے سلسلے میں یہ پانچ سو روپے رکھ لو ۔
پانچ سو روپے اس ذرا سے کام کے بہت زیادہ تھے ،
مجھے بہت حیرت ہوئی ۔ تاہم میں نے پیسے رکھ لیے اور وہ
بریف کیس کو جوں کا توں چھوڑ کر چلا گیا ۔ آج صبح تک بھی وہ
واپس نہ آیا تو میں پونے پانچ بجے نیشنل پارک کے پاس پہنچ
گیا ، ابھی دو منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ ایک شخص میرے
قریب سے گزرا ۔ اس نے بریف کیس پر ہاتھ ڈال دیا اور آگے
بڑھ گیا ، چنانچہ میں سمجھ گیا کہ یہی وہ حق دار ہے ، بس
میں مطمئن ہو گیا ۔" یہ کہانی سننے کے بعد فاروق نے اس کی
طرف غور سے دیکھا اور بولا ۔

"کیا بریف کیس میں تالا لگا ہوا تھا ۔"

"جی نہیں ۔" وہ ہکلایا ۔

"پھر تو آپ نے اس بریف کیس کو کھول کر ضرور دیکھا
ہو گا ۔"

"ہاں ! دیکھا تھا ، لیکن میں نے اس میں موجود چیزوں کو
ہاتھ نہیں لگایا تھا ۔"

"اس میں کیا چیزیں تھیں ؟" فاروق نے بے چین ہو کر سوال کیا۔

"میں سمجھ نہیں سکا کہ کیا چیزیں تھیں ، سیاہ رنگ کے لوہے کے کچھ ٹکڑے معلوم ہوتے تھے مجھے تو۔" اس نے جواب دیا۔

"لوہے کے ٹکڑے ...... سیاہ رنگ کے۔" فاروق کے منہ سے سوچنے کے انداز میں نکلا ، پھر اس نے کہا۔

"وہ شخص اپنی کوئی اور چیز تو نہیں چھوڑ گیا۔"

"صرف ایک سگریٹ لائٹر جو مجھے اس کے جانے کے بعد تکیے کے نیچے سے ملا تھا۔"

"اوہ ! اگر آپ مجھے وہ سگریٹ لائٹر دکھا دیں تو بہت شکر گزار ہوں گا ، لیکن آپ پیدل کیوں چل رہے ہیں ، کیا آپ کا گھر بہت نزدیک ہے ؟"

"یہ بات نہیں ، میں ذرا پیدل چلنے کا شوقین ہوں ، تم لائٹر دیکھ کر کیا کرو گے ؟"

"یہ اندازہ لگانا چاہتا ہوں کہ اس کا مالک کس قسم کا ہوگا۔" فاروق نے جواب دیا۔

"بھلا ایک لائٹر سے یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے ؟"

"میں ایسے کاموں کا ماہر ہوں ، آپ ابھی مجھے لائٹر کے مالک کے بارے میں کچھ نہ بتائیں ، میں خود آپ کو اس کے

بارے میں بہت سی باتیں بتا دوں گا۔"

"کمال ہے ۔ آخر تم اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو ؟"

"جب بھی اور جہاں بھی کوئی عجیب بات دیکھتا ہوں ، میں اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"پھر تو ہمیں کوئی رکشا ہی پکڑنا ہو گا ، کیونکہ تم شاید پیدل سفر نہ کر سکو۔"

"نہیں ! کوئی حرج نہیں۔"

وہ چلتے رہے ، یہاں تک کہ سڑک کے کنارے ایک شاندار عمارت کے سامنے پہنچ گئے ۔ اب تو فاروق کا دل بھی دھڑکنے لگا ، اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا ۔ لمبے قد والا اب لفٹ کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ فاروق بھی اس کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو گیا ۔ عمارت سات منزل تھی ، لمبے قد والے نے لفٹ مین سے تیسری منزل کے لیے کہا ۔ لفٹ اوپر اٹھنے لگی ، پھر وہ تیسری منزل پر اترے ۔ برآمدے میں چلتے ہوئے وہ ایک کمرے کے سامنے رکے ۔ فاروق نے دیکھا ، اس کا نمبر تین سو انیس تھا ۔ لمبے آدمی نے دروازے پر دستک دی ..... اور فاروق کو شدید بے چینی محسوس ہونے لگی ۔

نئی اطلاع

"کیا ہوا جناب! آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں" محمود بولا۔

"ہاں! بات عجیب ہے، جس آدمی کا تم تعاقب کر رہے ہو، وہ اس عمارت کے سامنے رکا ہے جس میں خود میں رہتا ہوں" اس نے بتایا۔

"اوہو..... یہ تو واقعی عجیب بات ہے، کیا یہ پوری عمارت آپ کی ہے" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں! اس میں بے شمار کرائے دار رہتے ہیں۔ دو کمروں کا فلیٹ میرے پاس بھی ہے"

"پھر تو ہو سکتا ہے، یہ کسی اور فلیٹ میں رہتا ہو"

"ہاں! آؤ چلیں" عارف وارثی نے کار پارک کرتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر میں چھوٹے قد والا رکشے سے اتر کر لفٹ میں پہنچ چکا تھا۔ دونوں تیزی سے اندر داخل ہوئے۔

"ابھی ابھی چھوٹے قد والے کو آپ نے کونسی منزل پر اتارا ہے، ہم اس کے دوست ہیں" محمود نے بات بنائی۔

"تیسری منزل پر" لفٹ مین نے کہا۔

"بہت خوب! تو پھر ہمیں بھی تیسری منزل پر اتار دیں"

لفٹ اوپر اٹھنے لگی۔ تیسری منزل کے برآمدے میں انہوں نے...... ادھر ادھر دیکھا، دونوں طرف کوئی بھی نظر نہ آیا۔

"اب کیا کیا جائے" عارف وارثی نے کہا

"آپ کون سے کمرے میں رہتے ہیں"

"کمرہ نمبر تین سو انیس ہیں"

"تو پھر آپ تو چلیے، میں اسے خود تلاش کر لوں گا"

"لیکن اس معاملے میں میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں"

"تو پھر پہلے آپ اپنے گھر والوں کو یہ بتا دیں کہ آپ آ چکے ہیں، اس کے بعد ہم دونوں اس منزل پر اسے تلاش کریں گے۔ کم از کم پچاس فلیٹ تو ضرور ہوں گے ہر منزل میں"

"جی ہاں!"

"بہت خوب! ظاہر ہے، یہ کام جلد ختم نہیں ہو گا، آپ کے بیوی بچے نہ پریشان ہوں"

"ٹھیک ہے" عارف وارثی نے کہا اور کمرہ نمبر تین سو انیس

کی طرف قدم اٹھانے لگا، محمود نے اس کا ساتھ دیا۔ عارف وارثی نے دروازے پر دستک دی۔ دونوں انتظار کرنے لگے۔ آخر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور ایک آواز سنائی دی:

"اندر آجاؤ! واپس مڑنے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ گولی سینے کے پار ہو گی۔"

انہوں نے دیکھا۔ دروازے میں سے دو پستول جھانک رہے تھے۔ البتہ کسی انسان کی شکل دکھائی نہ دی۔ عارف وارثی کا تو رنگ اڑ گیا۔ محمود کی پریشانی بھی عروج پر تھی۔ دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور کمرے میں داخل ہو گئے۔

"پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا، بس آگے بڑھتے رہو اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ..... پیچھے مڑ کر دیکھا نہیں اور گولی تمہارے سر میں گھسی نہیں، یہ بھی بتا دوں، پستولوں پر سائیلنسر فٹ ہیں، آواز بالکل نہیں گونجے گی۔"

"تم لوگ ہو کون اور یہ غیر قانونی دھمکیاں کس سلسلے میں دے رہے ہو؟" عارف وارثی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تمہارے لیے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ اس وقت تمہارے بیوی اور بچے ہمارے قبضے میں ہیں، ان کی طرف تین تین پستول ایک ساتھ اٹھے ہوئے ہیں اور وہ خوفزدہ

ہرنیوں سے بھی زیادہ ڈرے ہوئے ہیں۔ اگر تم دونوں میں سے کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو ہمارے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو جائے، تمہاری بیوی اور بچے ہرگز نہیں بچیں گے۔"

"اوہ!" عارف وارثی کے منہ سے نکلا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور اسی آواز نے کہا۔

"جالینوس، دیکھو، دروازے پر کون ہے۔"

"بہت بہتر سر!" دوسری آواز سنائی دی اور پھر چٹخنی گرنے کی آواز آئی۔

○

دروازہ کھولنے والے کو دیکھ کر فاروق کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، وہ وہی چھوٹے قد والا آدمی تھا، جو لمبے قد کے آدمی کے ہاتھ سے بریف کیس لے آیا تھا۔ اس نے گھبرا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ابھی تو تم اور بھی بہت کچھ دیکھو گے، پہلے ذرا کمرے کے اندر نظر ڈال لو۔" جالینوس نے کہا۔

فاروق نے اندر نظر ڈالی، وہاں محمود ایک دوسرے آدمی
کے ساتھ ہاتھ اوپر اٹھائے نظر آیا۔

"ان کے ہاتھوں کو کیا ہوا" اس کے منہ سے نکلا۔

"تم بھی انہی کے انداز میں ہاتھ اوپر اٹھا کر ان کے
پاس پہنچ جاؤ، لقمان اسے دھکیل کر اندر لے آؤ۔"

"میں کوئی بھیڑ بکری نہیں، خود ہی اندر آ جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر فاروق نے قدم اٹھایا اور محمود کے پاس پہنچ کر
ہاتھ اوپر اٹھا دیے:

"تمہیں اس حالت میں کتنی دیر ہو گئی؟"

"تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے، کیوں کیا اس حالت میں دیکھ کر
بہت خوشی ہو رہی ہے۔"

"خوشی اس لیے ہو رہی ہے کہ تم نے ہی اس چکر میں پھ
ہے۔" فاروق بولا۔

"اب تو پھنس گئے، کیا کر سکتے ہیں۔"

"دوستو! ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، اس لیے ا
ہمیں ہاتھ نیچے گرانے کی اجازت دے دو، آخر ہم اس ط
کب تک کھڑے رہیں گے۔"

"پہلے تمہاری تلاشی لی جائے گی۔" جالینوس نے غرا کر
ساتھ ہی اس نے لقمان کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا اور محمود

اور عارف وارثی کی تلاشی لینے لگا، لیکن ان کی جیبوں میں سے
کچھ نہ نکلا۔

"ٹھیک ہے، اب تم لوگ ہاتھ نیچے گرا دو، اور منہ اس
طرف کر کے فرش پر بیٹھ جاؤ۔"

"میرے بیوی بچے کہاں ہیں؟" عارف وارثی نے پریشان ہو
کر کہا۔

"دوسرے کمرے میں بند ہیں۔ ابھی تم لوگوں کو بھی وہیں پہنچا دیا
جائے گا۔ دو اور کا انتظار ہے۔"

"دو اور کا۔ کیا مطلب؟" محمود چونکا۔

"بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دو اور کون آنے والے
ہیں اور یہ کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔" جالینوس نے کہا۔

"کیا آپ لوگ حکیم ہیں اور لوگوں کا علاج معالجہ کرتے
ہیں۔" فاروق نے سوال جڑ دیا۔

"کیوں! یہ سوال کیوں کیا تم نے۔" تیسرے آدمی نے پوچھا۔

"تمہارے ایک ساتھی کا نام جالینوس ہے، دوسرے کا
لقمان ہے، یہ نام تو بہت مشہور حکیموں کے ہیں، ارے
ہاں! تمہارا نام تو رہ گیا۔" فاروق نے کہا۔

"مجھے بقراط کہتے ہیں۔" تیسرا مسکرایا۔ دیوار کی طرف منہ
پھیرنے کے بعد انہوں نے دیکھا تھا کہ اس کے چہرے پر

ایک نقاب ہے، جس نے اس کے چہرے کا نصف حصہ ڈھانپ لیا تھا، بس ٹھوڑی اور پیشانی نظر آ رہی تھی۔

"باپ رے! معلوم ہوتا ہے، اس فلیٹ میں حکیموں کا پورا خاندان آ جمع ہوا ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اور الجھن یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بیمار بھی نہیں۔" محمود بولا۔

"ہمیں تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں، بس تمہیں کچھ دیر یہاں روک کر ایک کام مکمل کرنا ہے، اس کے مکمل ہوتے ہی ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور کچھ لوگ آ کر تمہیں کھول دیں گے۔"

"کھول دیں گے کیا مطلب؟ ہم بندھے ہوئے کب ہیں۔"

"نہیں ہیں تو باندھ دیں گے چلو لقمان، جالینوس ان تینوں کو باندھ دو، تاکہ باقی دو بھی آ جائیں تو ہمارا کام جلد مکمل ہو جائے۔" بقراط نے کہا۔

"بہت بہتر سر!"

"یہ تمہارے ساتھی تمہیں سر کیوں کہتے ہیں۔"

"یہ میرے ماتحت ہیں، بس اسی لیے سر کہتے ہیں۔"

"اور یہ جالینوس، لقمان اور بقراط کیا تمہارے اصلی نام ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"اگر تم انہیں نقلی خیال کرتے ہو تو کرتے رہو، اس سے صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔" بقراط بولا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ دو اور آنے والوں کے نام کیا ہیں۔"

"کیا نام سنے بغیر تم رہ نہیں سکتے۔"

"اگر نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"چلو بتا ہی دیں۔ ان کے نام انسپکٹر جمشید اور فرزانہ ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم دونوں انہیں اچھی طرح جانتے ہو۔"

"اوہو، تو یہ بات ہے، یعنی تم لوگ ہمیں اچھی طرح جانتے ہو۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"نہ صرف جانتے ہیں، بلکہ تمہارے کاموں سے بھی واقف ہیں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ہم کوئی برے کام کرتے ہیں۔"

"ہمارے نزدیک تو سب سے زیادہ برے کام تم لوگ ہی کرتے ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کمرے میں نظر آ رہے ہو۔"

"یہ ہمارے لیے بالکل نئی اطلاع ہے، آج تک یہ بات کسی نے ہم سے نہیں کہی، خیر ایک بات ثابت ہو گئی ہے اور وہ یہ کہ تم لوگ ہم سے اچھی طرح واقف ہو اور یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے، ہر لیف کیس کا چکر صرف تم دونوں کو

یہاں لانے کے لیے چلایا گیا تھا۔"

"تو کیا فرزانہ اور ابا جان کو یہاں تک لانے کے لیے بھی کوئی چکر چلایا جائے گا۔"

"چلایا جائے گا نہیں، چلایا جا چکا ہے۔"

"اوہ!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

حکیموں کا چنگل

"اف خدا! یہ تو بہت ہی طاقت ور مائیکرو فون ہے، اس کا مطلب ہے، ہماری سب باتیں سنی جا چکی ہیں۔" شیخ صاحب نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں! لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ یہاں تک پہنچا کیسے، رحیم پر تو ہمیں پورا بھروسہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"پھر بھی رحیم کو اندر بلا کر پوچھ گچھ تو کرنا ہی پڑے گی۔" شیخ صاحب نے کہا اور اپنے چپراسی رحیم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ فوراً ادھیڑ عمر چپراسی اندر داخل ہوا۔

"اس سیاہ رنگ کے بٹن کو دیکھ رہے ہو، جلدی بتاؤ، تمہارے ہوتے ہوئے یہ یہاں کس طرح پہنچا۔"

"جی میں سمجھا نہیں!" رحیم نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"یہ بہت طاقت ور قسم کا مائیکروفون ہے، بغیر تار کے کام کرتا ہے، جس جگہ کی گفتگو سننا ہو، وہاں اسے چپکا دو، چیک

بھی بہت آسانی سے جاتا ہے، چنانچہ ہم نے یہاں جتنی بھی
باتیں کی ہیں، وہ سب سنی جا چکی ہیں اور اس کا صاف مطلب
یہ ہے کہ ہماری تمام تدابیر خاک میں مل جائیں گی۔"

"اف اللہ!" رحیم کے منہ سے نکلا، پھر اس نے کہا۔

"اس کے بارے میں صرف اور صرف صفائی کرنے والا بتا سکتا
ہے، کیونکہ جب وہ صبح صفائی کرنے آیا، اس سے پہلے یہ بٹن
یہاں موجود نہیں تھا۔"

"تمہیں اچھی طرح یاد ہے؟" انسپکٹر جمشید نے اسے بغور
دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت خوب! تب تم اسے یہاں بلا لاؤ۔ اکرام کو ساتھ
لے لینا، کہیں وہ بھاگنے کی کوشش نہ کر بیٹھے۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

"بہت اچھا جناب!" رحیم نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"جمشید ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، مہمان وزیر کے
پہنچنے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے۔" شیخ صاحب بولے۔

"لیکن جناب جب تک ہم یہ نہ معلوم کرلیں کہ یہ مائیکروفون
یہاں کس طرح پہنچا، اس وقت تک کیسے اطمینان کا سانس لے
سکتے ہیں، میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ دشمن بہت پہلے سے
سازش کی تیاری میں لگا ہوا تھا۔"

"ہوں! تمہارا خیال ٹھیک ہے۔"

اسی وقت رحیم اور اکرام خاکروب کو لے کر اندر داخل ہوئے،
وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"ہوں! تو یہ بٹن تم نے یہاں لگایا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے
سرد آواز میں کہا۔

"جی ہاں!" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"کیوں! تمہیں ایسا کرنے کے لیے کس نے کہا تھا۔"

"وہ مجھے سڑک پر ملا تھا، اس نے مجھے پانچ سو روپے دینے
کا وعدہ کیا تھا، صرف اس کام کے لیے کہ میں یہ بٹن آئی جی
صاحب کے کمرے میں لگا دوں، میں لالچ میں آگیا، بٹن میں
نے یہاں لگا دیا اور جا کر اسے بتایا۔ اس نے پھر مجھے واپس
اس کمرے میں بھیجا اور ہدایت کی کہ یہاں آکر منہ سے کوئی
آواز نکالوں۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا، اس بار میں
باہر گیا تو اس نے مجھے پانچ سو روپے دے دیئے اور کہا کہ
اس بٹن کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤں۔"

اکرام اسے حراست میں رکھو، اس بٹن کو یہاں سے اتار لو۔
اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ مہمان وزیر دفاع کی آمد کے
سلسلے میں پہلے ہی کسی سازش کی تیاریاں کی جا چکی تھیں۔ یہاں
اس سے آگے تفتیش کا سلسلہ رک گیا تھا، اس لیے انہوں نے

یہی بہتر سمجھا کہ حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے لیا جائے۔
"جمشید تم ہوائی اڈے سے ایوان صدر تک کے تمام راستے
کا جائزہ لے ڈالو، میں حفاظتی انتظامات اور سخت کراتا ہوں۔"
آئی جی صاحب نے کہا۔
"ٹھیک ہے سر!"
اور وہ باہر نکل آئے۔ انہوں نے اپنی جیپ اس سڑک پر
چھوڑ دی جس پر سے وزیر دفاع کو لایا جانا تھا۔ ہوائی اڈے
تک پہنچ کر وہ پھر واپس پلٹے۔ ایوان صدر تک آئے، لیکن کوئی
مشکوک بات محسوس نہ ہوئی، انہوں نے ایک اور چکر لگانے کا
فیصلہ کیا، ساتھ ہی انہیں یہ خیال آیا کہ محمود فاروق اور فرزانہ
کو بھی اپنے ساتھ جیپ میں سوار کر لیں، یہ سوچ کر انہوں
نے ایک پولیس پوسٹ سے گھر فون کیا۔ ریسیور فرزانہ نے اٹھایا۔
"ہیلو فرزانہ! تم ان دونوں کو لے کر ہائی وے پر پہنچ جاؤ
میں پولیس پوسٹ نمبر ایک سو چالیس سے بول رہا ہوں۔ یہیں آجاؤ۔"
"لیکن ابا جان! ابھی تک محمود اور فاروق گھر واپس نہیں آئے۔"
"گھر واپس نہیں آئے، لیکن اس وقت تک تو نہیں آ جانا
چاہیے تھا، خیر وہ دونوں جونہی پہنچیں، تم انہیں لے کر یہاں پہنچ
جاؤ، اگر میں یہاں نہ ہوں تو تم یہیں انتظار کرنا۔"
"جی بہتر..... ذرا ٹھہریے..... دروازے کی گھنٹی بجی ہے

میں دیکھ لوں، لیکن نہیں، گھنٹی بجانے کا انداز ان کا نہیں ہے۔"
فرزانہ نے جلدی سے کہا۔
"تو پھر کس کا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"انداز جانا پہچانا نہیں ہے، میں دیکھتی ہوں، آپ ٹھہریں۔"
انہوں نے ریسیور کے میز پر رکھے جانے کی آواز سنی۔

○

فرزانہ نے ریسیور رکھا اور اپنی امی سے بولی:
"امی جان میں دروازے پر دیکھنے جا رہی ہوں کہ کون ہے، اگر
کوئی گڑبڑ نظر آئے تو آپ فوراً فون میں خطرہ کا لفظ کہہ کر ریسیور
رکھ دیں۔"
"لیکن خطرے کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔" بیگم جمشید نے
پریشان ہو کر کہا۔ فون کی گھنٹی بجنے کے ساتھ ہی وہ بھی وہاں
پہنچ گئی تھیں۔
"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے خطرہ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔"
"اللہ رحم کرے۔ اس خطرے نے تو بس ہم لوگوں کو ہی
تاڑ لیا ہے۔" بیگم جمشید نے منہ بنا کر کہا۔
اتنے میں فرزانہ دروازے پر پہنچ گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے
دروازہ کھول دیا، وہاں دو نوجوان کھڑے نظر آئے۔

"محمود اور فاروق یہیں رہتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں کیوں - کیا بات ہے؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا

"وہ ایک جگہ پھنس گئے ہیں، دوسرے لفظوں میں وہ اس اس وقت ہمارے قبضے میں ہیں اور اب ہم تمہیں بھی وہیں لے جانے کے لیے آئے ہیں۔"

"تو میں ضرور چلوں گی، لیکن جانا کہاں ہے۔"

"ہائی وے کی ایک عمارت میں، عمارت کا نام فاضل چیمبرز ہے"

"کیا میں اپنے ابا جان کو بھی وہیں بلا لوں۔" فرزانہ نے کہا

"ضرور بلا لو، ہم تم سب کو ایک جگہ دیکھ کر خوش ہوں گے، اگر تم لوگوں نے اس عمارت کو پولیس کے ذریعے گھیرے میں لینے کی کوشش کی تو محمود اور فاروق سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"فکر نہ کرو، ہم ایسا نہیں کریں گے، ٹھہرو میں ابا جان کو بھی یہ اطلاع دے دوں، ابھی ابھی میں ان سے فون پر باتیں کر رہی تھی، وہ بھی ہمیں ہائی وے پر بلانا چاہتے تھے، ------

------ اب تم بھی وہیں لے جانا چاہتے ہو، یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے، انہیں فون پر اطلاع دے دو، یہ بھی کہہ دینا کہ خاموشی سے فاضل چیمبر کے کمرہ نمبر تین سو انیس میں آ جائیں۔"

"بہت بہتر! تم دونوں یہیں ٹھہرو گے یا میرے ساتھ فون تک

چلنا پسند کرو گے۔"

"نہیں تم لوگوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے، خطرہ ہے تو تم لوگوں کو ہم سے، تم نے کوئی غلط قدم اٹھایا نہیں اور تمہارے بھائیوں کی جان گئی نہیں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"اچھا! میں ابھی آتی ہوں۔"

یہ کہہ کر فرزانہ اندر آئی - اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ فون کے قریب آ کر اس نے ریسیور اٹھایا اور بولی:

"ہیلو ابا جان! کیا آپ اس طرف موجود ہیں۔"

"ہاں بھئی! معلوم ہوتا ہے، اس طرف کچھ گڑبڑ ہے۔"

"گڑبڑ اس طرف نہیں، ہائی وے پر ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہائی وے پر فاضل چیمبرز کے کمرہ نمبر تین سو انیس میں اس وقت محمود اور فاروق دشمنوں کے قبضے میں ہیں، وہ مجھے بھی وہیں لے جا رہے ہیں، اگر ہماری طرف سے کوئی گڑبڑ کی گئی تو ان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے، یہ ان کی دھمکی ہے، وہ آپ کو بھی وہاں آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا، پھر چند سیکنڈ خاموشی کے عالم میں گزر گئے، آخر ان کی آواز سنائی دی:

"ٹھیک ہے، تم ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ، میں اس وقت

فاضل چیمبرز سے دور نہیں ہوں، تمہارے بعد میں بھی آ جاؤں گا۔" ان
الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ فرزانہ نے بھی ریسیور
رکھا اور دروازے کی طرف مڑی۔

"کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو؟" ان میں سے
ایک نے دروازہ پر سے کہا۔

"ہاں! تیار ہوں۔"

"اور کیا تمہارے والد بھی وہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"بالکل پہنچ رہے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے، چلو۔" اس نے کہا۔ فرزانہ نے ایک نظر اپنی
امی پر ڈالی، ان کا چہرہ ست گیا تھا، فرزانہ نے دبی آواز میں کہا:

"خدا حافظ امی جان!" ان کے منہ سے نکلا۔

"خدا حافظ بیٹی!" ان کے منہ سے نکلا۔

فرزانہ تیزی سے مڑی اور دروازے سے نکل گئی۔ گھر سے باہر
ایک کار کھڑی تھی۔ ان دونوں میں سے ایک ڈرائیونگ سیٹ
پر بیٹھا، دوسرا فرزانہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار تیز
رفتاری سے چلتی ہوئی ہائی وے پر پہنچ گئی اور پھر فاضل چیمبرز کے
سامنے رک گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمرہ نمبر تین سو انیس میں
داخل ہو رہے تھے۔ جونہی فرزانہ اندر داخل ہوئی، اس کی نظر محمود
اور فاروق پر پڑی۔ دونوں بُری طرح رسیوں سے جکڑے پڑے تھے

اور ان کے سر پر ایک شخص پستول لیے کھڑا تھا جیسے اسے خطرہ ہو کہ
بندھے ہوئے ہونے کے باوجود وہ اس پر جھپٹ پڑیں گے۔

"تمہیں اس حالت میں دیکھ کر کچھ خوشی نہیں ہوئی۔" فرزانہ نے بُرا
سا منہ بنایا۔

"فکر نہ کرو، تھوڑی دیر بعد تم بھی ہماری حالت کو پہنچ جاؤ
گی۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"تم دونوں ہمیشہ مجھے اور ابا جان کو مصیبت میں پھنسا دیتے ہو۔"
وہ بولی۔

"تمہارا خیال غلط ہے، ہم تو خود مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔"

"اب ابا جان بھی یہاں آتے ہوں گے، لیکن آخر یہ چکر کیا ہے۔"

"چکر ابھی تک ہماری سمجھ سے باہر ہے۔" محمود نے جواب دیا۔

فرزانہ نے پورے کمرے پر ایک نظر ڈالی۔ اسے کمرے میں تین پستول
والوں کے علاوہ ایک اور شخص بھی نظر آیا، یہ بھی بندھا ہوا تھا۔

"اور یہ صاحب کون ہیں۔"

"یہ عارف وارثی ہیں، یہ فلیٹ انہی کا ہے، دوسرے کمرے میں
ان کے بیوی بچے بھی بندھے پڑے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فلیٹ ہمارے دشمنوں کا نہیں ہے۔"
فرزانہ نے کہا۔

"واہ کتنا درست اندازہ لگایا۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے

لہجے میں کہا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ بقراط نے فوراً کہا:

" کون ہے؟"

" میں ہوں فیثا غورث۔" باہر سے آواز آئی۔

" فیثا غورث!" فرزانہ حیرت زدہ انداز میں بڑبڑائی۔

" ہاں! شاید تمہیں یہ سن کر اور حیرت ہوگی کہ کمرے
جو یہ تین مہربان موجود ہیں، ان کے نام جالینوس، لقمان اور بقراط

" ارے باپ رے.... شاید ہم حکیموں کے چنگل میں پھنس
گئے ہیں۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

اتنی دیر میں بقراط جالینوس کو اشارہ کر چکا تھا۔ اس
اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ فوراً ہی ایک لمبوترے چہرے والا
اندر داخل ہوا اور بولا:

" باس نے بریف کیس منگایا ہے۔"

" ٹھیک ہے، لے جاؤ۔" بقراط نے فرش پر رکھے ہو
بریف کیس کی طرف اشارہ کیا۔

" اور تمہارے باس کا نام کیا ہے؟" فرزانہ بول پڑی۔

بریف کیس اٹھاتے اٹھاتے فیثا غورث اس کی طرف
مڑا اور بولا:

" انہیں ارشمیدس کہتے ہیں۔"

" اُف خدا۔ یہ ہم کن لوگوں میں پھنس گئے ہیں۔" فاروق
کے منہ سے نکلا۔

فیثا غورث نے بریف کیس اٹھایا اور باہر نکل گیا، بقراط
نے دروازہ بند کر دیا۔

" اور اب ہم انسپکٹر جمشید کا انتظار کریں گے۔" بقراط نے
کہا۔

اوچھا وار

پولیس پوسٹ سے باہر نکل کر انسپکٹر جمشید جیپ میں آ بیٹھے
اور وائرلیس پر اکرام سے رابطہ قائم کیا۔ اس سے فوراً ہی سلسلہ
مل گیا۔

" ہیلو اکرام ..... ہائی وے پر ایک عمارت فاضل چیمبرز کے
نام سے مشہور ہے، تم وہاں پہنچ جاؤ، میں بھی آ رہا ہوں۔"

" او کے سر!" اکرام نے جواب دیا۔

اب انہوں نے آئی جی صاحب سے رابطہ قائم کیا اور بو

" سر! میرا خیال ہے، کام شروع ہو چکا ہے، جی ..... جی
..... میرا مطلب ہے، مجرم حرکت میں آ چکے ہیں، بہتر تو یہی
کہ مہمان کو ہوائی اڈے سے کسی اور مقام پر لے جایا جائے
ہائی وے کو محفوظ خیال نہیں کرتا۔"

" افسوس! اب پروگرام تبدیل نہیں ہو سکتا، ویسے تم اس
نتیجے پر کس طرح پہنچے؟" انہوں نے پوچھا۔

" محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت تک دشمنوں کے قبضے

جا چکے ہیں اور اب وہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

" اوہو، بڑی تیزی سے کام کر رہے ہیں یہ لوگ، لیکن
انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو کیوں گھیرا؟"

" ان لوگوں کو ہم چاروں سے خطرہ ہوگا، لہٰذا وہ چاہتے
ہیں، ہم ہائی وے پر توجہ نہ دے سکیں، لیکن آپ فکر
نہ کریں، میں ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دوں گا۔"

" اب تم کیا کرو گے؟" آئی جی فکرمند ہو کر بولے۔

" میں تیل دیکھ رہا ہوں اور تیل کی دھار بھی، ابھی تک
کوئی فیصلہ نہیں کر پایا، جیسا موقع دیکھوں گا، کر گزروں گا۔"

" ٹھیک ہے، یہ بات ذہن میں رکھنا کہ مہمان کو ہر حال میں
ہائی وے سے گزرنا ہے۔"

" جی بہت بہتر!"

دوسری طرف سے سلسلہ بند ہونے کے بعد انہوں نے فاضل چیمبرز
کا رخ کیا، وہاں اکرام پہلے سے موجود تھا۔

" اکرام! میں یہ سمجھتا ہوں کہ فاضل چیمبر کی جتنی بھی کھڑکیاں
سڑک کی طرف کھلتی ہیں، ان میں سے کسی ایک سے مہمان پر
فائر ہوگا۔"

" اوہ!" اکرام دھک سے رہ گیا۔

" اب یہ ہمارا کام ہے کہ فائر ہونے سے پہلے فائر کرنے

والے کو نشانہ بنا لیں۔"

"تو ہم اس پوری عمارت کو گھیرے میں لے کر مشتبہ لوگوں
کو حراست میں کیوں نہ لے لیں۔"

"اس عمارت میں کئی سو کمرے ہیں، حملہ آور نہ جانے کس
کمرے میں چھپا ہوگا، اس طرح ہم اپنا وقت ہی ضائع کریں
گے، ہم تمام کمروں کی تلاشی لے بھی نہ پائیں گے کہ مہمان کے
یہاں سے گزرنے کا وقت ہو جائے گا، اور میرا خیال ہے کہ
تلاشی کے باوجود بھی ہم مجرموں کو تلاش نہیں کر سکیں گے، کیوں کہ
وہ پہلے سے کھڑکی پر بندوق لیے نہیں بیٹھا ہوگا، بلکہ وہ صرف
ایک آدھ منٹ پہلے اپنے مورچے پر نمودار ہوگا، اس لیے
ہم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ ان تمام کھڑکیوں پر
ایک ایک آدمی نظر رکھے، ان کے ہاتھوں میں بھرے ہوئے
پستول موجود ہوں، جونہی کسی بندوق کی نالی انہیں نظر آئے،
وہ اس نالی کو نشانہ بنا ڈالیں، اس کے لیے ہمیں بہترین نشانہ
بازوں کی ضرورت ہے اور یہ نشانہ باز پہلے ہی ہائی وے پر
موجود ہیں، تم ان سے رابطہ قائم کر کے انہیں یہاں بلا لو، ان
کھڑکیوں میں سے ایک کھڑکی میرے ذمے ہے، اس سے اگر
بندوق کی نالی جھانکی تو میں اسے ضرور موڑ دوں گا۔"

"بہت بہتر! میں ابھی ان لوگوں کو بلا کر یہاں مقرر

کیے دیتا ہوں۔"

"اور ایک سادہ لباس والے کو اندر بھیج کر صرف اتنا معلوم
کرا لو کہ کمرہ نمبر تین سو انیس کی کھڑکی کونسی ہے، زیادہ امکان
اس بات کا ہے کہ فائر اس کھڑکی سے ہوگا۔"

"اوہ بہت بہتر!" اکرام نے کہا اور فوراً نشانہ بازوں سے
وائرلیس پر رابطہ قائم کرنے لگا، اس کام سے فارغ ہو کر اس
نے اپنے ایک ماتحت کو فاضل چیمبر میں بھیجا۔ پانچ منٹ بعد
اس نے آکر بتایا کہ اس کے حساب کے مطابق کمرہ نمبر تین سو
انیس کی کھڑکی کونسی ہے۔

"نشانہ لینے کے لیے فاضل چیمبرز کے سامنے والی عمارتوں کی
کھڑکیاں زیادہ بہتر رہیں گی، لہٰذا اپنے آدمیوں کو ان کھڑکیوں
پر مقرر کر دو، میں تو نیچے سے بھی نشانہ لے سکوں گا۔" انہوں
نے اکرام کو ہدایت دی اور خود ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو
گئے، وہ یہ اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ مہمان فاضل چیمبرز
سے کب گزریں گے۔ اس کے بارے میں انہیں کیپٹن نثار ہی
بتا سکتا تھا جس کے ماتحتوں کے گھیرے میں مہمان کو گزرنا تھا۔
کیپٹن نثار تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ جہاز کے
آنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ کیپٹن نے ان سے مصافحہ
کیا اور مسکرا کر بولا:

"خیریت تو ہے انسپکٹر صاحب؟"

"میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ہوائی اڈے سے ٹھیک تین کلو میٹر کے فاصلے پر کس وقت گزریں گے۔"

"کیوں.... کوئی خاص بات؟" کیپٹن نے سوالیہ نظریں ان کے چہرے پر جما دیں۔

"جی ہاں! خاص ہی سمجھیے، میں ہائی وے کی نگرانی پر مقرر ہوں اور ہر قسم کی اطلاعات سے آگاہ رہنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"بہت خوب! ٹھہریئے میں ابھی حساب لگا کر بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے دل ہی دل میں حساب لگایا اور پھر بولا:

"ہم یہاں سے ٹھیک تین کلو میٹر کے فاصلے پر اکتیس منٹ بعد پہنچیں گے، کاروں کی رفتار بہت کم ہو گی، کیونکہ استقبال کرنے والے اپنے مہمان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے چین ہونے ہیں۔"

"کیا آپ رفتار تیز نہیں کر سکتے۔"

"اگر کوئی خطرہ ہے تو ہم رفتار تیز بھی کر سکتے ہیں۔" کیپٹن نے چونک کر کہا۔

"تو پھر میری درخواست یہی ہے کہ رفتار تیز رکھی جائے۔"

"لیکن اس کے لیے تو کمشنر صاحب سے بات کرنا پڑے گی

اس وقت ہم ان کے چارج میں کام کر رہے ہیں۔"

"تو پھر ان سے بات کر لیں، اگر وہ منظور کریں تو پھر آپ دوبارہ حساب لگا کر مجھے بتا دیں کہ اس فاصلے پر کس وقت گزر ہو گا۔"

"میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ کوئی خاص بات ہے، ورنہ آپ ایسا کرنے کے لیے نہ کہتے، میں ابھی کمشنر صاحب سے بات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر کیپٹن نے وائرلیس پر رابطہ قائم کیا اور بولا:

"انسپکٹر جمشید یہ چاہتے ہیں کہ رفتار تیز رکھی جائے۔" دوسری طرف کا جواب سننے کے بعد وہ انسپکٹر جمشید کی طرف مڑا:

"کمشنر صاحب وجہ جاننا چاہتے ہیں۔"

"ان سے کہہ دیں، میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ کیپٹن نے ان کے الفاظ دہرا دیے اور پھر سلسلہ بند کر دیا۔

"انہوں نے رفتار بڑھانے کی اجازت دے دی ہے، اور اب میرے حساب سے ہم تیئسویں منٹ پر وہاں سے گزریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ! میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ٹھیک تین کلو میٹر کے فاصلے سے چند میٹر پہلے رفتار اچانک تیز کر دی جائے اور اس کے چند میٹر بعد مقررہ رفتار کر لی جائے۔"

"کمشنر صاحب نے مجھے ہدایت دی ہے کہ آپ کی خواہش کے

مطابق کام کیا جائے۔" کیپٹن خوشگوار لہجے میں بولا۔

"بہت بہت شکریہ!"

" انہوں نے کہا اور واپس چل پڑے۔ وہ جانتے تھے کہ فاضل چیمبرز کے کمرہ نمبر تین سو انیس میں ان کا بہت بے چینی سے انتظار ہو رہا ہے، لیکن انہوں نے اس کمرے میں جانے کا پروگرام ختم کر دیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے نہ جانے کی صورت میں محمود، فاروق اور فرزانہ مصیبت میں مبتلا ہو سکتے تھے لیکن ملک اور قوم کے معاملے میں وہ ان کی پروا کرنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے فاضل چیمبر کے سامنے ایک کھڑکی کا نشانہ لینے کا پروگرام بنایا۔

وقت چیونٹی کی چال سے گزرنے لگا۔ ان کی نظر گھڑی پر جمی ہوئی تھی، ادھر اکرام اور اس کے ساتھی سامنے والی عمارتوں میں مورچے جمائے بیٹھے تھے۔ ان سب کے دل دھک دھک کر رہے تھے، وہ سب سوچ رہے تھے کہ اگر ان کا نشانہ خطا ہو گیا تو کیا ہو گا۔

اور پھر وقت بہت نزدیک آ گیا، پولیس کے دو سارجنٹ سب سے پہلے سڑک پر سے گزر گئے۔ عین اسی وقت ایک روح فرسا منظر انسپکٹر جمشید اور دوسروں نے دیکھا۔ بندوق کی ایک نال کمرہ نمبر تین سو انیس سے جھانکی تھی، لیکن اس نال کے ساتھ ہی

فرزانہ کھڑکی میں کھڑی دکھائی دی، گویا بندوق چلانے والا اس کے پیچھے تھا۔ اب اگر نیچے سے یا سامنے والی عمارت سے فائر کیا جاتا تو گولیاں فرزانہ کو پہلے چھلنی کرتیں، اس کے بعد پیچھے کھڑے دشمن تک پہنچتیں۔

یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید کا چہرہ تن گیا، رنگ سرخ ہو گیا۔ یہ دشمنوں کی طرف سے بہت اوچھا وار تھا۔

○

انہوں نے فوراً اکرام سے رابطہ قائم کیا اور سخت لہجے میں بولے:

"اکرام اپنے سب ساتھیوں سے کہہ دو، اس بندوق کی نال کو اپنے نشانے کی زد میں لے لیں۔"

"لل.... لیکن سر.... اس طرح تو فرزانہ گولیوں کی زد میں آ جائے گی۔"

"کوئی بات نہیں، میں سمجھوں گا، فرزانہ اپنے وطن پر قربان ہو گئی۔"

"کیا کوئی اور حل نہیں ہو سکتا۔" اکرام نے بوکھلا کر کہا۔

"تم ہی بتا دو، اور کیا حل ہو سکتا ہے۔"

اکرام لاجواب ہو گیا۔ عین اسی وقت آئی جی شیخ نثار احمد اور ڈی آئی جی افتخار خان صاحب ادھر سے گزرے، انہوں نے انسپکٹر جمشید کی اڑی ہوئی رنگت دیکھی تو جیپ روک لی۔

"کیا بات ہے جمشید؟" آئی جی بولے۔

"ادھر دیکھیے، شاید یہی وہ مقام ہے جہاں سے دشمن کے مہمان وزیر پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔"

"اوہ!" دونوں کے منہ سے نکلا۔ انہوں نے فوراً ہی جیپ ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی اور اسے سڑک کے کنارے کھڑی کرکے واپس انسپکٹر جمشید کے پاس آئے۔

"اف خدا! یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"دشمن یہ چاہتا ہے کہ ہم اس بندوق کو نشانہ نہ بنائیں..... لیکن میں نے اکرام کو حکم دے دیا ہے کہ وہ بندوق کی نال کو نشانہ بنانے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو جمشید، فرزانہ کا کیا بنے گا؟"

"وہ وطن پر نثار ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا

"نہیں نہیں۔ وہ ہمارے لیے بہت اہم ہے، وطن کو اس کی بہت ضرورت ہے۔"

"لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں، اگر بندوق کی نال کو نشانہ نہ بنایا گیا تو مہمان پر فائر کر دیا جائے گا۔ کیا یہ ہمارے لیے نیک نامی کی بات ہو گی۔"

"اف خدا! یہ تو بہت نازک صورت ہے، ہم اس عمارت پر اندر کی طرف سے کیوں نہ حملہ کریں۔"

"اس کمرے کا دروازہ بند ملے گا اور ہم توڑنے کی کوشش کریں گے تو وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو ختم کرنے کی دھمکی دیں گے۔"

"ارے! کیا محمود اور فاروق بھی وہیں ہیں۔"

"جی ہاں! انہوں نے تو مجھے بھی اس کمرے میں بلانے کا بندوبست کیا تھا، لیکن میں ان کے جال میں نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے سامنے کھڑا ہوں، ورنہ اس وقت میں بھی محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ ہوتا۔"

"یا اللہ! اب کیا ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ خدا بہتر کرے گا۔"

"فکر کس طرح نہ کریں، فرزانہ ہمارے لیے بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی....."

ڈی آئی جی صاحب کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا تھا اور یہ دھماکا اس طرف ہوا تھا جس طرف سے مہمان وزیر آنے ہی والے تھے۔ وہ سب حواس باختہ ہو گئے اور اندھا دھند اس طرف بھاگے۔ شاید سبھی لوگ اس طرف دوڑ پڑے تھے۔ قیامت کا ایک شور مچ گیا، ایسی خوفناک بھگدڑ مچی کہ خدا کی پناہ۔ انسپکٹر جمشید، آئی جی اور

ڈی آئی جی صاحبان بھی پاگلوں کی طرح دوڑ رہے تھے اور پھر
ان سب کے قدم خود بخود رُک گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت اور
خوف سے پھیل گئیں۔ ان کے سامنے دھوئیں کا ایک گہرا بادل تھا
جس نے سڑک اور آس پاس کی عمارتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا
تھا۔ دھوئیں کا پھیلاؤ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اور لوگ اس
سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔

"میرے خدا! یہ سب کیا ہے" آئی جی صاحب کے منہ
سے نکلا۔

"سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا مہمان وزیر اس جگہ پہنچ
چکے تھے جب دھماکا ہوا، اگر نہیں تو وہ آنے والے ہوں گے
انہیں کافی دور روک لینا چاہیے۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

"یہ تو خود بخود ہی ہو جائے گا، کیونکہ ہم دوسری طرف
کسی ذیلی سڑک کے ذریعے ہی پہنچ سکیں گے اور اس سے پہلے
ہی مہمان وزیر یہاں پہنچ جائیں گے۔" آئی جی بولے۔

"جب کہ میرا خیال ہے، وہ اس دھوئیں کے بگولے کے اندر
ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں!!" آئی جی صاحب کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا۔

"ٹھہریے میں دھوئیں کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا
ہوں۔" انہوں نے کہا اور کئی قدم آگے بڑھ گئے۔

"جمشید دھواں زہریلا بھی ہو سکتا ہے۔" آئی جی چلائے۔

"اس صورت میں واپس لوٹ آؤں گا سر!"

"لیکن دھوئیں کے اندر تم دیکھو گے کیسے، فائر بریگیڈ کو
آلینے دو، پھر گیس ماسک پہن کر اندر چلے جانا۔"

"اس وقت تک کہیں دیر نہ ہو جائے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید دھوئیں کے نزدیک پہنچ
گئے۔ انہوں نے محسوس کیا، دھواں زہریلا نہیں ہے، تاہم دھوئیں
کے اندر داخل ہونا بے ہوش ہونا تھا، پھر بھی وہ چند قدم اور
آگے بڑھ گئے، لیکن آگے گھپ اندھیرا تھا، عین اسی وقت
فائر بریگیڈ کی گھنٹیاں سنائی دیں، لوگ کائی کی طرح پھٹ گئے،
لیکن ابھی فائر بریگیڈ والے گیس ماسک ہی چڑھا رہے تھے کہ
دھواں بہت ہلکا ہو گیا اور اندر کا منظر مدھم مدھم سا نظر
آنے لگا۔ انہوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید آگے بڑھتے چلے جا
رہے تھے۔ اگلے چند سکینڈ میں دھواں بالکل غائب ہو گیا۔ پولیس
پہلے ہی دھوئیں کے گرد گھیرا ڈال چکی تھی۔ اب دوسرے آفیسر آگے
بڑھے اور مہمان وزیر کی کار تک پہنچ گئے۔ کار کے نزدیک سب
سے پہلے انسپکٹر جمشید پہنچے۔ انہوں نے دیکھا، کار کے اندر موجود
تمام آدمی مکمل طور پر بے ہوش تھے۔ کار کی چھت پر گولی کا نشان
تھا۔ پچھلا ٹائر پھٹ چکا تھا، پچھلی کاروں میں موجود تمام لوگ بھی

بے ہوش تھے۔ ایمبولینس گاڑیاں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ لہٰذا تجویز
ٹھہری کہ سب سے پہلے تمام بے ہوش لوگوں کو ایمبولینس گاڑیوں
میں ہسپتال پہنچایا جائے، چنانچہ یہی کیا گیا۔ کاریں مہمان سے خالی
ہو گئیں تو انسپکٹر جمشید اور دوسرے آفیسروں نے جائے واردات
کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔ مہمان وزیر کی کار کے اندر خون کا
کوئی دھبہ نہیں تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بال بال بچے
ہیں۔ حملہ ناکام ہو گیا ہے اور اس میں کسی کی کوشش کو دخل نہ
تھا۔ بغور جائزہ لینے کے دوران انسپکٹر جمشید کو مہمان وزیر کی کار
کے نزدیک ایک سیاہ رنگ کی چیز پڑی دکھائی دی۔ اس پر ابھی تک
کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ وہ تیزی سے جھکے اور اس چیز کو
چٹکی سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

انہوں نے دیکھا، یہ ایک نقاب تھی، ایسی نقاب جس سے
منہ اور ناک کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی چھپ جاتی تھیں۔ نقاب
نے الجھن میں ڈال دیا.... سڑک پر اس کی موجودگی کی انہیں کوئی
وجہ نظر نہ آئی، ظاہر ہے کہ یہ حملہ کسی عمارت پر سے کیا گیا
تھا، کسی نے خود آ کر نہیں کیا تھا، پھر اس نقاب کا کیا
مطلب تھا۔ انہوں نے نقاب کو احتیاط سے ایک کاغذ میں
لپیٹا اور جیب میں رکھ لیا۔

اس وقت انہیں محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال آیا، وہ

فوراً واپس مڑے اور آئی جی صاحب کے پاس پہنچے۔

"میں ذرا محمود، فاروق اور فرزانہ کی خبر لے آؤں، نہ جانے
وہ کس حال میں ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

جیپ کو برق رفتاری سے چلاتے ہوئے جب وہ فاضل
چیمبرز کے کمرہ نمبر تین سو انیس کے سامنے پہنچے تو وہاں انہیں
فرزانہ دکھائی نہ دی۔ وہ دوڑ کر لفٹ تک پہنچے اور اس کے
ذریعے تیسری منزل تک پہنچے۔

کمرہ نمبر تین سو انیس کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ دھکیلنے
پر فوراً کھل گیا۔ انہوں نے دیکھا، اندر محمود، فاروق، فرزانہ اور
ایک اور آدمی بندھے پڑے تھے۔ دوسرے کمرے میں ایک عورت اور
تین بچے بندھے پڑے تھے۔ ان کے علاوہ کمرے میں اور کوئی نہیں
تھا۔

عارف وارثی

بے ہوش آدمیوں کو ہسپتال میں جلد ہی ہوش آ گیا، وزیرِ دفاع اور ان کے ساتھی زندگی بچ جانے پر بہت خوش تھے۔ انہوں نے فوراً ہی پروگرام کے مطابق ایوانِ صدر چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہیں آرام کرنے کے لیے کہا گیا، لیکن وہ نہ مانے۔ آخر حفاظتی انتظامات کرنے کے بعد انہیں ایوانِ صدر پہنچا دیا گیا۔
اسی رات محکمہ سراغرسانی کی عمارت میں آئی جی صاحب کے دفتر میں پھر میٹنگ شروع ہوئی، اس وقت یہاں محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی شامل کیا گیا۔ آئی جی صاحب کہہ رہے تھے،

"وزیرِ دفاع کا دورہ تین روزہ ہے، تین روز سے پہلے ہمیں ان لوگوں کو گرفتار کر کے دکھانا ہے۔ جنہوں نے یہ سازش کی ہے، ورنہ وہ ہمارے بارے میں اچھی رائے لے کر نہیں جائیں گے.... اور اس کام کے لیے میں انسپکٹر جمشید کا نام تجویز کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں ہر طرح تیار ہوں اور انشاء اللہ تین دن سے بہت پہلے سازش کے ذمے دار لوگوں کو گرفتار کر لوں گا، لیکن

اس کے ساتھ ہی میں یہ اجازت بھی چاہوں گا کہ تفتیش کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔"

"کیا مطلب!" آئی جی چونکے۔ "یہ تم نے عجیب بات کہی، کیا اس سے پہلے تمہارے کام میں کسی نے کوئی رکاوٹ ڈالی جو اب ایسا ہو گا۔"

"معاف کیجیے گا جناب! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شاید اس سازش کے پیچھے کسی بہت بااثر آدمی کا ہاتھ کام کر رہا ہو۔"

"پروا نہیں، وہ جو کوئی بھی ہے، ہم اُسے آزاد دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔" ڈی آئی جی بولے۔

"تب پھر مجھے اجازت دیں، میرے پاس وقت بہت کم ہے، میں اسی وقت سے کام شروع کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

آئی جی صاحب کے کمرے سے نکل کر انہوں نے اکرام کو ہدایت کی کہ خاکروب کو ان کے کمرے میں لے آئے۔ وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو لے کر اپنے کمرے میں آئے ہی تھے کہ اکرام خاکروب کو لے کر آ گیا۔

"ہاں! اس آدمی کا حلیہ بتاؤ جس نے تمہیں وہ بٹن دیا تھا، خبردار حلیہ بالکل ٹھیک ٹھیک بتانا، ورنہ کئی سال کے لیے جیل چلے جاؤ گے۔"

"بھلا میں ٹھیک ٹھیک کیوں نہ بتاؤں گا۔" اس کا قد درمیانہ تھا، ناک لمبی اور نوک اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور بھورے رنگ کی تھیں، چہرہ چپٹا سا تھا..... اور ہاں آنکھوں پہ سنہری فریم کی عینک بھی تھی۔

"بس کافی ہے، اگر یہ حلیہ درست ہے تو میں بہت جلد اسے تلاش کر لوں گا۔ اکرام اسے لے جاؤ اور حوالات میں بند کر دو۔"

اس کے جانے کے بعد انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے اور بولے:

"اس کیس میں دو تین باتیں بہت عجیب ہیں اور ہم ان عجیب باتوں کے ذریعے ہی آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ پہلی عجیب بات تو یہ ہے کہ محمود نے جس کی کار میں لفٹ لی، مجرموں نے اسی کے گھر کو اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا، کیا یہ صرف ایک اتفاق تھا، اگر اتفاق تھا تو بہت حیرت انگیز تھا۔ بریف کیس کا چکر اس لیے چلایا گیا تھا کہ تم دونوں کو گھیر کر وہاں لے جایا جائے اور پھر تمہارے زور پر فرزانہ اور مجھے بھی وہاں جمع کرایا جائے..... لیکن شاید وہ پہلے ہی جانتے تھے کہ میں ان کے جال میں نہیں آؤں گا۔ بہر حال اس

نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم تینوں کو وہاں جمع کرنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میری توجہ فاضل چیمبرز سے ادھر ادھر نہ ہو بلکہ دوسرے آفیسر بھی اس طرف ہی متوجہ رہیں، اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئے، ہم ادھر متوجہ رہے اور انہوں نے اس مقام سے کچھ میٹر پہلے ہی وزیر دفاع کی کار پر حملہ کر دیا، یہ اور بات ہے کہ حملہ مکمل طور پر ناکام رہا، لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ آخر دھوئیں کا بم مارنے کی کیا ضرورت تھی، صرف رائفل کی گولی ہی کافی تھی اگر نشانے پر بیٹھتی۔ دھوئیں کا یہ بم بھی مجھے الجھن میں مبتلا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس نے معاملے کو اور بھی الجھا دیا ہے اور وہ یہ ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے پیکٹ جیب سے نکالا اور اسے کھول ڈالا۔ تینوں نے دیکھا، اس میں ایک سیاہ رنگ کی نقاب تھی۔

"یہ نقاب مجھے وزیر دفاع کی کار کے پاس سے ملی ہے، آخر اس کا وہاں کیا کام..... ظاہر ہے کہ حملہ کسی عمارت کے اوپر سے کیا گیا تھا، حملہ آور خود نیچے تو آئے نہیں تھے، پھر اس نقاب کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے..... ان باتوں کے بارے میں تم لوگ اپنی اپنی رائے دو۔ اس کے بعد ہم میدان عمل میں نکلیں گے۔" انسپکٹر جمشید یہ ساری تفصیل بتانے کے بعد خاموش ہو گئے۔

"مجھے عارف وارثی صاحب کی کار میں لفٹ مل گئی تھی اور ہم رکشے کا تعاقب کرتے ہوئے خود عارف وارثی کے فلیٹ تک جا پہنچے تھے اور وہاں جا کر پتا چلا کر عارف وارثی کے بیوی بچے ان کے قبضے میں ہیں، لہذا ہمیں عارف وارثی کو بھی ٹٹولنا پڑے گا۔" محمود نے کہا۔

"ابا جان! اس نقاب پر اگر کسی کی انگلیوں کے نشانات مل جائیں تو کیسی رہے۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"بہت اچھی رہے گی۔ میں خود سوچ چکا ہوں، یہ کام فوراً ہی کرا لینا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، اکرام اس وقت تک خاکروب کو حوالات میں پہنچا کر واپس آ چکا تھا، چنانچہ نقاب اسی کے حوالے کر دی گئی، وہ اسے لے کر چلا گیا۔

"فاروق تم کیوں خاموش ہو؟" انسپکٹر جمشید نے اسے بغور دیکھا۔

"مجھے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا ہے، جیسے مجرم ہمارے بالکل آس پاس موجود ہو اور ہمیں نظر نہ آ رہا ہو، کیوں نہ ہم سب سے پہلے عارف وارثی سے ملاقات کر لیں۔" فاروق نے کہا۔

"بالکل ٹھیک! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے، وہیں چلتے ہیں۔"

وہ ایک بار پھر فاضل چیمبرز کے کمرہ نمبر تین سو انیس کے

سامنے پہنچے، اندر شاید کوئی فون پر بات کر رہا تھا۔ ان کے کانوں تک یہ آواز آئی:

"ہاں! سب ٹھیک ہو گیا، آپ فکر نہ کریں، اب میں وہیں جا رہا ہوں۔"

"فوراً نیچے چلو۔" انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا اور وہ آہٹ پیدا کیے بغیر واپس لفٹ کی طرف چل پڑے۔ نیچے پہنچ کر وہ جیپ میں بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔ تین منٹ بعد ہی عارف وارثی عمارت سے باہر نکلتا نظر آیا۔ اپنی کار میں بیٹھ کر وہ ان کے قریب سے گزر گیا، لیکن چونکہ جیپ کے ساتھ اور بھی گاڑیاں کھڑی تھیں اور ان میں سے اکثر میں گاڑیوں کے مالکان بیٹھے تھے، اس لیے عارف وارثی ان کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکا، اس کے کچھ دور نکل جانے کے بعد انہوں نے جیپ سڑک پر ڈال دی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، عارف وارثی تم لوگوں کے ساتھ ڈرامہ کھیلتا رہا ہے، ذرا اس کا حلیہ تو بتانا، کیونکہ ابھی تک میں نے اسے صرف ایک نظر دیکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید فکر مند ہو کر بولے۔

"اس کا قد درمیانہ، چہرہ لمبوترہ، آنکھیں موٹی اور بھوری، ناک لمبی۔" محمود نے کہا۔

"اوہو شاید تم نے دھیان نہیں دیا۔ اس خاکروب نے بھی تو یہی حلیہ بتایا تھا۔"

"تو یہ وہی تھا جس نے آئی جی صاحب کے کمرے میں مائیکرو فون
لگوایا، پھر بریف کیس کا چکر چلایا، خود یہ تھوڑے سے فاصلے
پر موجود تھا اور جب اس نے دیکھا کہ مجھے کوئی رکشہ نہیں
ملا تو خود آگے آگیا، اس طرح میں نے لفٹ لی، پھر
فاضل چیمبرز کے سامنے پہنچ کر اس نے حیرت کا اظہار کیا کہ
بریف کیس والا تو اسی عمارت میں آ رہا ہے جس میں خود وہ رہتا
ہے۔" محمود کہتا چلا گیا۔ پھر چونک کر بولا۔

"ارے! مجھے ایک بات اور یاد آ گئی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ایک اور بات آ گئی، ورنہ میں
تو سوچ رہا تھا کہ شاید آج کے دن کسی کو کوئی اور یاد ہی
نہیں آئے گی۔" فاروق نے بہت دیر کے بعد آواز نکالی۔

"اور میں شکر کرتا ہوں کہ تمہاری آواز سنائی دی، ورنہ میں
تو سوچ رہا تھا کہ شاید فاروق کی زبان کا کچھ علاج کرانا پڑے گا۔"
محمود نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیا بات یاد آئی ہے، فوراً بتاؤ۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"یہ کہ جب ہم عارف فاروقی کے فلیٹ میں مجرموں کے رحم اور
کرم پر تھے، اس وقت ایک شخص وہاں آیا تھا اور بریف کیس
مانگ کر لے گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے، بریف کیس خالی نہیں تھا۔ اس میں

ضرور کچھ تھا۔" انسپکٹر جمشید پر خیال آواز میں بولے۔

"لمبے قد والے نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ بریف کیس میں
اے کے کچھ ٹکڑے تھے۔" فاروق نے جیسے یاد کر کے کہا۔

"بعض اوقات فرضی کہانیوں میں بھی کوئی سچ بات شامل ہو
جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گویا آپ لوہے کے ٹکڑوں کو اہمیت دے رہے ہیں۔"

"ہاں بھئی.... اس کیس میں ہم معمولی سے معمولی چیز کو بھی
اہمیت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے، ویسے اگر تم مجھے دو سوالوں
کے جواب دے دو تو میں فوری طور پر مجرم کو پکڑ سکتا ہوں۔"

"اور وہ دو سوال کونسے ہیں!" محمود بولا۔

"ایک تو یہ کہ مہمان وزیر کی کار کے پاس وہ نقاب کیوں
پڑی پائی گئی ہے اور دوسرے یہ کہ کار پر فائرنگ کے ساتھ
دھوئیں کا بم کیوں مارا گیا۔"

"کم از کم ان دو میں سے ایک سوال کا جواب میں دے
سکتی ہوں۔" فرزانہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"چلو ایک کا ہی دے دو، دوسرے سوال کو ہم سنبھال
لیں گے۔" فاروق نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"یہ سوال ہے، کوئی لڑاکا بیل نہیں جسے تم سنبھال لو گے۔"
فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

"تو اس میں جلنے بھننے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے کہا۔
"بھئی کبھی تو اسے کوئی کام بغیر ضرورت بھی کر لینے دیا
کرو۔" محمود نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔
"فرزانہ، سوال کا جواب دو، دوسرے سوال کا جواب یہ دیں
گے اور اگر نہ دے سکے تو میں ان سے سمجھ لوں گا۔" انسپکٹر
جمشید غصیلے لہجے میں بولے۔
"دھوئیں کا بم گولی چلانے کے بعد مارا گیا ہوگا، مطلب
یہ تھا کہ وزیر دفاع کو بچانے کے لیے کچھ نہ کیا جا سکے۔" فرزانہ
نے کہا۔
"بہت خوب! تم دونوں اس سلسلے میں کیا رائے رکھتے ہو؟
کیا فرزانہ کا خیال درست ہے؟"
"معلوم تو درست ہی ہوتا ہے۔" محمود نے کہا۔
"میرا بھی یہی خیال ہے، کیونکہ اس کے علاوہ دھوئیں کے
بم کی کوئی اور وجہ سمجھ نہیں آتی۔"
"چلو خیر! اب تم دونوں یہ بتاؤ کہ کار کے پاس نقاب کا
کیا کام تھا؟"
"ہو سکتا ہے مجرموں میں سے کسی نے یہ دیکھنے کی کوشش
کی ہو کہ مہمان وزیر دفاع کا کانٹا نکل گیا ہے یا نہیں، ہو
سکتا ہے، وہ نقاب دراصل گیس ماسک ہو اور اسے دھوئیں

سے محفوظ رہنے کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔" محمود نے خیال
ظاہر کیا۔
"بہت خوب!" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔ "اس
نقاب کا ہم لیبارٹری میں تجزیہ کرائیں گے، اس طرح ہمیں
یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ نقاب کی بجائے گیس ماسک
ہے یا نہیں۔"
"ان دونوں جوابات کی صورت میں آپ کس نتیجے پر
پہنچے؟" فاروق نے پوچھا۔
"افسوس! ابھی کسی پر نہیں پہنچا۔"
"لیکن آپ کا خیال تو یہ تھا کہ اگر ان دونوں سوالات
کے جوابات آپ کو مل جائیں تو آپ مجرم تک پہنچ جائیں
گے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔
"ہاں! خیال تو یہی تھا، لیکن نہ جانے کیوں میں کسی نتیجے
پر نہیں پہنچا، خیر کوئی بات نہیں، دیکھا جائے گا..... ارے....
یہ عارف وارثی کہاں جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔
انہوں نے سامنے دیکھا، دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی
اب شہری حدود سے باہر نکل آئی تھیں۔ گھنا جنگل شروع
ہو گیا تھا۔
"معلوم ہوتا ہے، عارف وارثی شکار کا شوقین ہے۔" فاروق

بڑبڑایا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو اس کے بیوی بچے مصیبت سے نکلے ہیں، اب یہ انہیں پھر تنہا چھوڑ آیا ہے۔" محمود بولا۔

"وہ مصیبت تو نقلی مصیبت تھی، بظاہر یہ کرنا تھا کہ اس کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں، لیکن غلطی اس سے یہ ہوئی کہ دفتر کے خاکروب سے خود مل بیٹھا، ورنہ ہم اسے بے گناہ ہی خیال کرتے رہتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اچانک انہوں نے اگلی کار کی رفتار کم ہوتے محسوس کی، پھر وہ ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ انسپکٹر جمشید نے بھی رفتار کم کر لی اور پھر سڑک کے کنارے روک ہی لی۔

"کیوں! آپ رک کیوں گئے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"اب ہمارے لیے پیدل چلنا بہتر ہے، میرا خیال ہے، بہت جلد ہمیں کوئی خاص بات معلوم ہونے والی ہے، یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ عین اس وقت عارف وارثی کے فلیٹ پر پہنچ گئے جب وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور روانہ ہونے والا تھا۔"

جیپ سے اتر کر وہ کچے راستے پر چلنے لگے محمود، فاروق اور فرزانہ کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ دوسری طرف انسپکٹر جمشید مہمان وزیر کے لیے فکر مند تھے، ان کے خیال میں

وہ خطرے میں تھے اور وہ ان کے آس پاس رہنا چاہتے تھے، لیکن حالات انہیں ان سے کافی دور اس جنگل میں لے آئے تھے، اب وہ یہاں سے جلد از جلد فارغ ہو کر واپس ان کے پاس پہنچ جانا چاہتے تھے۔

چاروں لمبے لمبے ڈگ بھرتے رہے، کار ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ آخر پندرہ منٹ تک چلتے رہنے کے بعد کہیں جا کر انہیں ایک عمارت نظر آئی۔

"اب کیا پروگرام ہے ابا جان"!

"ہم مکان کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔" وہ بولے۔

پہلے انہوں نے دروازے پر دباؤ ڈال کر دیکھا، وہ اندر سے بند تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مکان کا ایک چکر لگایا، لیکن اندر پہنچنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے دروازے پر پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے اسے کھٹکھٹا ڈالا اور انتظار کرنے لگے۔ تقریباً ایک منٹ بعد دروازے کے پاس قدموں کی آہٹ سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔

انہوں نے دیکھا، دروازہ کھولنے والا عارف وارثی ہی تھا۔

سٹی گم

"آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، کیا آپ میرا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہیں۔" عارف وارثی کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"آپ ٹھیک سمجھے، ہم واقعی آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اس کی ضرورت تھی، کیا آپ ہمیں اندر نہیں لے چلیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ جی ہاں .... کیوں نہیں، آئیے۔"

اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا اور وہ چاروں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا، یہ ایک پرانی طرز کا مکان تھا، فرش اور دیواریں اینٹوں کی تھیں، بیسمنٹ کا کہیں نام و نشان بھی نظر نہ آیا۔

"مسٹر عارف وارثی، جس طرح آپ کو ہمیں یہاں دیکھ کر حیرت

ہوئی ہے، اسی طرح ہمیں بھی آپ کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے، کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ اس جنگل میں کیمپ کرنے آئے ہیں۔"

"ایک ضروری کام سے آیا ہوں، کیا یہاں آنا جرم ہے۔"

"بالکل نہیں - وہ کام کیا ہے۔"

"ایک ذاتی کام، جس کے بارے میں میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا یہ مکان آپ کا ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! میرے ایک دوست کا ہے۔"

"وہ یہاں رہتا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں شہر میں رہتا ہے۔ اس مکان کی ایک چابی اس نے مجھے بھی دی ہوئی ہے۔"

"بہت خوب! آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ ہمیں صاف صاف بتا دیں، یہاں کس لیے آئے ہیں، ورنہ ہم مکان کی تلاشی لینے پر مجبور ہوں گے۔"

"لیکن کس قانون کے تحت، کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟" اس نے تنک کر کہا۔

"مجھے شک ہے کہ آپ یہاں کوئی غیر قانونی کام کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تب پھر آپ کو تلاشی کا وارنٹ دکھانا ہوگا۔"

"میں نے آج تک کبھی تلاشی کا وارنٹ دکھا کر کسی جگہ تلاشی نہیں لی، آپ مجھے روک نہیں سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن میں آپ پر مقدمہ ضرور کر سکتا ہوں۔" عارف وارثی نے دھمکی دی۔

"ضرور کیجیے گا مقدمہ۔ چلو محمود، فاروق، فرزانہ مکان کی اچھی طرح تلاشی لو، مسٹر وارثی آپ یہیں ٹھہریں گے۔"

"بہت بہتر!" اس نے منہ بنا کر کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ اپنے کام میں جٹ گئے۔ مکان زیادہ بڑا نہیں تھا، اس میں صرف تین کمرے تھے۔ کسی کمرے کے دروازے پر تالا نہیں تھا، اس لیے انہیں تلاشی لیتے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ آخر تینوں مایوس ہو کر ان کے پاس پہنچ گئے۔

"ابا جان! ہمیں افسوس ہے، کوئی کام کی چیز نظر نہیں آئی۔" محمود نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"اچھا! اب تم تینوں یہاں ٹھہرو، مسٹر وارثی کو حرکت نہ کرنے دینا، میں مکان کو ایک نظر دیکھ لوں۔"

"جی بہتر!"

انہوں نے صرف تین منٹ لگائے اور پھر وہ بھی واپس آ گئے:

"ٹھیک ہے، یہاں کچھ نہیں ہے، آؤ واپس چلیں۔"

"میں آپ پر مقدمہ ضرور کروں گا۔" وارثی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن میں اب بھی یہ جاننا پسند کروں گا کہ آپ یہاں کس لیے آئے تھے۔"

"افسوس! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ مکان کی تلاشی لے چکے ہیں۔ اس لیے اپنا راستہ لیجیے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے مایوسانہ لہجے میں کہا اور انہیں باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ چاروں آگے پیچھے چلتے ہوئے باہر نکل آئے۔

"ابا جان! یہ تو بہت بری ہوئی۔" فاروق بولا۔

"ہاں! بری تو واقعی ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب آپ کیا کریں گے، یہ تو آپ پر مقدمہ کر دے گا۔"

"مقدمے کی بات چھوڑو، وزیرِ دفاع پر حملہ کرنے والوں کے بارے میں سوچو، اس میں کوئی شک نہیں کہ سازش کرنے والوں میں سے ایک وارثی بھی ہے، خاکروب اسے فوراً شناخت کر لیگا۔"

"تو پھر آپ اسے گرفتار کرا دیں۔"

"اب یہ جونہی گھر پہنچے گا، اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیوں آیا تھا۔"

"بھئی فکر نہ کرو، میں مکان میں ایک خفیہ تہہ خانے کے آثار دیکھ چکا ہوں، جب یہ واپس چلا جائے گا تو ہم مکان میں داخل ہو جائیں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔" محمود خوش ہو گیا۔

سڑک پر آکر انہوں نے اپنی جیپ سڑک کے دوسری طرف جنگل میں چھپا دی اور خود بھی درختوں کی اوٹ میں ہو گئے۔

"میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آتی ہے، کیوں نہ میں یہاں سے عارف وارثی کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤں اور تم تینوں اس مکان میں جا کر تہہ خانے کا خفیہ راستہ تلاش کرو، عارف وارثی اگر اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تو میں فوراً ہی واپس لوٹ آؤں گا، ورنہ ہو سکتا ہے میری واپسی میں کچھ دیر ہو جائے۔ اس صورت میں بھی تمہیں میرا انتظار کرنا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے ایک درخت کے پیچھے اوٹ لینے کے بعد کہا۔

"تجویز بہت معقول ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"بھئی دیکھ لو، رات ہو چکی ہے، کہیں تم جنگل میں گھبرا نہ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ان جنگلوں سے گھبرانے والے اے آسمان نہیں ہم۔" فاروق نے گنگنا کر کہا۔

"یہ بات ہم سے آسمان نے نہیں، ابا جان نے کہی ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تو آسمان کی جگہ ابا جان لگا لو۔" فاروق تڑ سے بولا۔

"ہائیں ہائیں! تم تو مجھے شعروں میں لگانے لگے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے بوکھلا کر کہا۔

"اوہ! معاف کیجیے گا ابا جان!" فاروق نے ندامت کا اظہار کیا۔

"چلو معاف کیا۔"

"ویسے ابا جان! آپ کے خیال میں یہ کیا ہو رہا ہے؟" فرزانہ نے موضوع بدلا۔

"تمہارا اشارہ مہمان وزیر دفاع کے واقعے کی طرف ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"ابھی تک تو یہی خیال کیا جا سکتا ہے کہ مہمان وزیر کو ہلاک کرنے کی سازش کی گئی تھی، چکر انہوں نے یہ چلایا کہ دو مورچے بنائے، ان میں سے ایک اصلی مورچہ تھا، دوسرا نقلی، نقلی مورچے پر انہوں نے ایک بریف کیس کا چکر چلا کر تمہیں جمع کر لیا، تاکہ میری پوری توجہ بھی اس نقلی مورچے یعنی فاضل چیمبرز تک رہے، جب کہ حملہ دوسرے مورچے سے کیا گیا، یہ

اور بات ہے کہ وزیر دفاع بال بال بچ گئے۔"

"اب جب کہ مہمان بال بال بچ گئے ہیں، ہم ادھر ادھر کیوں ٹانگ ٹوئیاں مار رہے ہیں۔"

"اس لیے کہ سازش کرنے والے آزاد ہیں، انہیں گرفتار کرنا ضروری ہے۔"

"لیکن یہ عارف وارثی اس جنگل میں کیا کرنے آیا تھا؟"

"یہ بھی ہمیں معلوم کرنا ہے، اسی لیے تو تمہیں یہاں چھوڑے جا رہا ہوں اور خود....."

اس وقت انہوں نے کچے راستے پر کار کی روشنیاں دیکھیں وہ خاموش ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید جیپ کی طرف رینگنے لگے اور ابھی کار سڑک پر نہیں پہنچی تھی کہ وہ جیپ میں سوار ہو گئے۔ پھر جونہی کار سڑک پر آ کر شہر کی طرف روانہ ہوئی، انہوں نے بھی جیپ سڑک پر ڈال دی۔ البتہ جیپ کی لائٹیں بجھائے رکھیں۔ شہری حدود تک وہ اسی حالت میں تعاقب کرنا چاہتے تھے۔

ادھر انسپکٹر جمشید تعاقب میں روانہ ہوئے، ادھر وہ تینوں درختوں کی اوٹ سے نکلے اور کچے راستے پر چلنے لگے۔ دن غروب ہو چکا تھا اور جنگل میں لمحہ بہ لمحہ تاریکی بڑھ رہی تھی.......

"فاروق تمہارے پاس پنسل ٹارچ تو ہے نا۔"

"

"تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ ہم گھر سے نیشنل پارک جانے کے لیے نکلے تھے، اس کے بعد سے اب تک گھر نہیں جا سکے۔ لہٰذا میری جیب میں ٹارچ کا کیا کام۔" فاروق نے جواب دیا۔

"اچھا تو یہ بتاؤ، چاند کی تاریخ کیا ہے۔"

"دراصل صبح شام انگریزی مہینے کی تاریخ استعمال میں آتی ہے، اس لیے چاند کی تاریخ کا خیال نہیں رہتا، تاہم میرا خیال ہے کہ آج چاند کی بارہ یا تیرہ تاریخ ہے۔" فاروق بولا۔

"پھر تو چاند کی روشنی ہماری مدد کرے گی۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ابھی چاند نکلنے میں دیر ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تو کیا ہوا، ابھی اندھیرا اتنا نہیں ہوا کہ ہم مکان تک نہ پہنچ سکیں۔" محمود نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم مکان میں جلائیں گے کیا، ظاہر ہے یہاں بجلی کا انتظام تو ہو گا نہیں۔"

"بھئی جن لوگوں نے اس مکان کو اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہے، انہوں نے رات کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کر رکھا ہو گا۔" محمود بولا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے صرف دن کے اوقات کے لیے اسے ٹھکانہ بنا رکھا ہو۔" فاروق مسکرایا

"تو یہ ہے، ہر بات میں ہو سکتا ہے، لگا لیتے ہو۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"مکان میں داخل ہونے کے بعد معلوم ہو ہی جائے گا کہ وہاں روشنی کا بندوبست ہے یا نہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔ مکان کے آس پاس بالکل سناٹا تھا۔ محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دباؤ ڈالا، کیونکہ اسے کوئی تالا لگا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔ دروازہ تیز چرچراہٹ کی آواز سے کھلتا چلا گیا۔ چرچراہٹ جنگل میں گونجی اور انہیں یوں لگا جیسے بہت سے جن بھوت ایک ساتھ چیخے ہوں، اگر وہ عام سے بچے ہوتے تو ضرور تھر تھر کانپنے لگ جاتے، لیکن وہ محمود فاروق اور فرزانہ تھے جنہوں نے جن بھوتوں سے ڈرنا نہیں سیکھا تھا، بلکہ وہ تو انہیں انسانی زندگی سے یوں بھی الگ خیال کرتے تھے۔

"آؤ بھئی!" محمود نے کہا اور بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ عارف وارثی تھوڑی دیر پہلے انہیں جس کمرے میں لایا تھا، وہ وہاں تک پہنچ گئے اور پھر اس طرح اچھلے جیسے واقعی کوئی جن نظر آ گیا ہو۔ کمرے میں کوئی موجود تھا۔

اس کے چہرے پر ایک خوفناک مسکراہٹ تھی، چہرہ بھی حد درجے خوفناک تھا۔ رنگ بالکل سیاہ تھا، لیکن افریقہ کا باشندہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہاتھ بہت بڑے بڑے اور بھدے، بازو بہت لمبے، آنکھیں گول موٹی باہر کو ابلی ہوئیں، چہرہ بالکل گول اور ٹھوڑی پر زخم کا نشان، زخم کا یہ نشان سفیدی مائل تھا، اس نے اس کے بھیانک پن میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

"تم لوگ کون ہو، کیا کسی کے گھر میں داخل ہونے کا یہی طریقہ ہے۔"

اس کی آواز سن کر تو وہ حیرت میں ڈوب گئے، یہ اتنی باریک اور ہلکی تھی کہ انہیں یوں لگا جیسے ایک ننھے سے بچے کے حلق سے نکلی ہو۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے جب ہم عارف وارثی سے ملنے آئے تھے تو آپ یہاں موجود نہیں تھے۔" محمود نے ہمت کر کے کہا۔

"کون عارف وارثی! یہ میرا گھر ہے۔" اس نے تنک کر کہا۔

"لیکن تھوڑی دیر پہلے عارف وارثی نامی ایک آدمی نے ہمارے لیے اس مکان کا دروازہ کھولا تھا اور ہم نے اس مکان کی تلاشی بھی لی تھی، اس وقت تو آپ اندر موجود نہیں تھے، کیا آپ جنگل میں چھپے ہوئے تھے اور اس کے جانے کے بعد اندر داخل ہوئے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"مجھے چھپنے کی کیا ضرورت، جب کہ یہ میرا اپنا مکان ہے، تم لوگ یہ بتاؤ، یہاں کس لیے آئے ہو، کیا چاہتے ہو، اگر چور ڈاکو ہو تو سن لو، یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔" اس نے کہا۔

"چور ڈاکو! ارے ارے! یہ کیا کہہ رہے ہیں، ہم بہت شریف آدمی ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"شریف آدمی لوگوں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوا کرتے۔" اس نے کہا۔

"ہاں واقعی! یہ غلطی ہم سے ضرور ہوئی ہے، لیکن یہ اس لیے ہوئی کہ ہم اس مکان کو عارف وارثی کا مکان سمجھے اور وہ ابھی ابھی یہاں سے واپس شہر چلے گئے ہیں، ہم چونکہ اس مکان کی تلاشی ان کی موجودگی میں لے چکے تھے، اس لیے یہ سمجھے کہ اندر کوئی نہیں ہو سکتا، لہذا اجازت کس سے لیتے، اب یہ کیسے معلوم تھا کہ آپ سے اندر ملاقات ہو گی۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"چلو خیر! یہ بتاؤ کہ تم اندر کیوں داخل ہوئے۔ اس شخص کی موجودگی میں یہاں کی تلاشی کیوں لی تھی۔"

"ہمیں شک تھا کہ وہ قانون کا مجرم ہے۔"

"کیا تمہارا تعلق پولیس سے ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہی سمجھ لو۔"

"ارے باپ رے۔" اس نے بوکھلا کر کہا اور انہیں بری طرح گھورنے لگا۔ آخر بولا:

"اب تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"ہم.... ہم یعنی کہ ہم..... فرزانہ تم بتاؤ، ہم کیا چاہتے ہیں؟" فاروق ہکلایا، کیونکہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

"بھئی اس میں ہکلانے کی کیا ضرورت ہے، ہم اس مکان کی ایک بار پھر تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" فرزانہ پرسکون انداز میں بولی۔

"ہاں! واقعی! اس میں تو ہکلانے والی کوئی بات بھی نہیں۔" فاروق بولا۔

"چلو نہیں ہو گی، تم دونوں ہکلانے کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم پیچھے پڑنے کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" فاروق منمنایا۔

"اچھا خاموش رہو، تمہاری آواز اس مکان کی دیواروں کو پریشان کر رہی ہے۔" فرزانہ جل بھن کر بولی۔

"یہ میرے لیے بالکل نئی اطلاع ہے، اس سے پہلے تک تو میری آواز زندہ انسانوں کو پریشان یا خوش کرتی تھی۔"

"کیا تم آپس میں بہن بھائی ہو؟" اس بھیانک آدمی نے کہا۔

"ہاں جناب! یہ ٹھیک ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تمہارا یہ بھائی بہت باتونی لگتا ہے۔" اس نے کہا۔

"لگتا نہیں، یہ ہے ہی باتونی۔" محمود نے غصے میں آ کر کہا

"اچھا تو اب میری بات سنو! یہ میرا مکان ہے، اگر تمہارے پاس پولیس کا کوئی کارڈ یا اجازت نامہ ہو تو مجھے دکھا دو اور تلاشی لے لو، ورنہ چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"اس چھوٹے سے مکان میں ہم چلتے پھرتے کس طرح نظر آ سکتے ہیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"میں مکان سے باہر کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں۔ مکان سے باہر واقعی بہت کھلا جنگل ہے اور اس میں آسانی سے چلا پھرا جا سکتا ہے... محمود تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ تم میری مرضی کے بغیر تلاشی نہیں لے سکتے، کیونکہ میں ہیوی ویٹ چیمپئن ہوں۔ باکسنگ کے بیس مقابلے جیت چکا ہوں۔"

"ارے باپ رے!" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"آؤ بھائی میاں، سے چلیں، کیوں کہ دال مشکل سے ہی گلے

گی:" محمود نے کہا۔

"تم دونوں تو ہو بزدل، اگر یہ ہیوی ویٹ ہیں تو ہم بھی لائٹ ویٹ ہیں اور یہ تو جانتے ہی ہو کہ ہلکے پھلکے آدمی تیز طرار زیادہ ہوتے ہیں۔" فرزانہ نے تنک کر کہا۔

"بھئی ہم پھر کسی وقت آ کر مکان کی تلاشی لے لیں گے۔" محمود نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک! میرا بھی یہی خیال ہے۔" فاروق نے کہا۔

اور فرزانہ کو بھی مجبوراً ان کا ساتھ دینا پڑا۔ تینوں واپس جانے کے لیے مڑے اور دروازے پر پہنچے، لیکن یہ دیکھ کر ٹھٹک گئے کہ دروازہ میں اندر کی طرف ایک بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی۔

دوسرا جیرال

بات بھی بھی سٹی گم ہونے کے قابل، جب وہ تینوں مکان میں
داخل ہوئے تھے تو اندر انہیں صرف ہیوی ویٹ ہی نظر آیا تھا،
اس کے علاوہ کوئی اور شخص دکھائی نہیں دیا تھا اور نہ انہوں نے
کسی کے قدموں کی آہٹ سنی تھی، پھر یہ کس طرح ہو گیا تھا
کہ دروازے پر تالا نظر آ رہا تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ
اس باکسر کے علاوہ بھی مکان میں کوئی موجود تھا، لہذا ان کی سٹی
گم نہ ہوتی تو کیا ہوتا، ایک ہیوی ویٹ چیمپیں ہی کیا کم تھا کہ
اب اس کے کسی مددگار کی موجودگی بھی ثابت ہو گئی تھی۔
وہ تیزی سے پلٹے، لیکن اپنے پیچھے کسی کو بھی نہ پایا۔
"یار عجیب دیدہ دلیر لوگ ہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔
"یہ تو ہم سے بلی چوہے کا کھیل کھیل رہے ہیں، فاضل چیمبر
میں بھی انہوں نے ہم سے گویا کھیل ہی کھیلا تھا، مجھے ڈر
ہے، کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔" فرزانہ بولی۔
"تو دے دیں گے، فکر کی کیا بات ہے۔" فاروق نے

ے اچکائے۔
"خیر آؤ۔ واپس اس کے پاس چلتے، کم از کم ہمیں ایک اطمینان
تو ضرور ہونا چاہیے.... اور وہ یہ کہ ابا جان بہت جلد یہاں
واپس آنے والے ہیں۔" محمود نے خود کو لاپروا ظاہر کرتے
ہوئے کہا۔
"یہ لوگ ہم سے چال پہ چال چل رہے ہیں، کیا خبر عارف
انکل کا اس طرح واپس جانا بھی کوئی چال ہو۔" فاروق نے
خیال ظاہر کیا۔
"ہاں! اس کا امکان ہے، لیکن اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں،
اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" فرزانہ بولی اور تینوں واپس اسی
کمرے میں آئے، لیکن باکسر انہیں کہیں بھی نظر نہ آیا۔ انہوں نے
جلدی جلدی پورے مکان کی تلاشی لے ڈالی، لیکن کوئی بھی
نظر نہ آیا۔
"ابا جان کا یہ خیال بالکل ٹھیک تھا کہ اس مکان میں کوئی
تہہ خانہ موجود ہے.... ایک طرح سے اب ہم اس مکان میں
قید ہیں، کیوں نہ ان کے آنے سے پہلے پہلے تہہ خانے کا راستہ
تلاش کر لیں۔"
جس کمرے میں انہیں باکسر نظر آیا تھا، وہاں مٹی کے تیل کا
ایک لیمپ روشن تھا اور اس کی روشنی انہیں ڈھارس دے رہی

تھے، ورنہ اندھیرے میں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے
سوا کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آخر انھوں نے تہہ خانے کی
تلاش شروع کی، ایک ایک دیوار کو ٹھوک بجا کر دیکھا، فرشوں
کو دھپ دھپا کر دیکھا، لیکن کہیں کوئی نشان نظر نہ آیا۔ فرزانہ
نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا دیکھے، محمود نے اپنی ترکیبیں
آزما ڈالیں اور فاروق نے خوب ہی ٹامک ٹوئیاں مار ڈالے،
لیکن تہہ خانے کا دروازہ نہ ملا۔ آخر تنگ آکر وہ پھر
اس کمرے میں آئے جس میں باکسر کو بیٹھے دیکھا تھا اور
پھر دھک سے رہ گئے، باکسر ایک بار پھر وہاں موجود تھا۔

”شاید آپ کوئی بھوت ہیں جو پل بھر میں غائب ہو جاتے
ہیں اور پلک جھپکنے میں حاضر ہو جاتے ہیں۔“

”میں نہ جن ہوں نہ بھوت، میں تو صرف انسان ہوں، ہاں
یہ ہو سکتا ہے کہ مجھ جیسا انسان تم لوگوں نے آج تک نہ
دیکھا ہو، دراصل اس مشن کے لیے خاص طور پر مجھے چنا گیا تھا
اور اب میں فخریہ طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرا انتخاب غلط
نہیں کیا گیا، میں نے اور میرے ملک نے تم لوگوں کی بہت
تعریفیں سنی تھیں، تمہارے بہت چرچے سنے تھے اور ہمارے
ملک کی سیکرٹ سروس میں ایک عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ
تمہارے ملک میں کوئی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں
ہو سکتی، جب تک کہ تم آزادانہ گھوم پھر رہے ہو، یہی وجہ
ہے کہ میں نے یہاں آکر سب سے پہلے تم لوگوں کا
بندوبست کرنے کا منصوبہ بنایا، ارے تم کھڑے کیوں ہو،
تھک جاؤ گے، بیٹھ جاؤ، ہاں تو میں نے تمہارے بارے
میں پہلے تو تمام معلومات حاصل کیں اور پھر بریف کیس والا
چکر چلایا، دوسری طرف وزیرِ دفاع پر حملہ کرنے کے لیے دوسرا
مورچہ بنایا، اس طرح تم میرے چکر میں آگئے، تمہارے والد
تمہاری بہن کی زندگی بچانے کے چکر میں رہے، ادھر حملہ کر
دیا گیا.....“

”یہ اور بات ہے کہ تم اس حملے میں بڑی طرح ناکام رہے۔“
فاروق نے جل کر کہا۔

”یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، جہاں تک تم لوگوں کا تعلق ہے،
میرے پروگرام میں ٹانگ نہیں اڑا سکے، کیا یہ میری کامیابی نہیں ہے،
حملے کا کیا ہے، ابھی وزیرِ دفاع تین دن یہاں رہیں گے، کسی
دن بھی انہیں گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا، اب تم لوگ تو
میرے قبضے میں آ ہی چکے ہو۔“

”تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے، ہمارے والد ابھی آزاد ہیں۔
اور وہ واپس آتے ہی ہوں گے۔“ فرزانہ نے تلملا کر کہا۔ نہ
جانے کیوں اس شخص کو دیکھ کر اسے غصہ آ رہا تھا۔

"وہ...... وہ بے چارے۔ اب کبھی یہاں نہیں آسکیں گے:
اس نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب؟ تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ان کے بارے میں تمہیں پھر بتاؤں گا، پہلے یہ سن لو۔ میں
کون ہوں، تمہیں جیرال تو یاد ہو گا" اس نے پراسرار لہجے
میں کہا۔

"جیرال! ہاں کیوں؟" وہ چونکے۔

"بس یوں سمجھ لو، میں دوسرا جیرال ہوں"

"دوسرا جیرال ـــ یہ تم کیا کہہ رہے ہو"

"میں جیرال کا بیٹا ہوں.... اپنے باپ کا انتقام بھی
تم سے لوں گا اور تمہارے ملک کو بھی وہ نقصان پہنچاؤں
گا کہ یاد ہی کرو"

"اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ ان کی نظریں جیرال
کے بیٹے پر جم گئیں۔ محمود کو اچانک کوئی خیال آیا، اس
نے کہا۔

"تم غلط کہتے ہو، تمہاری شکل صورت جیرال سے مختلف ہے،
البتہ قد و قامت ضرور اس جیسا ہے"

"شکل صورت کے لحاظ سے میں بالکل اپنی ماں پر گیا ہوں،
لیکن عادات اور طاقت باپ کی ہی مجھ میں"

"اس کا مطلب ہے" ایک بار پھر ہمارا واسطہ ایک
با اصول دشمن سے پڑ چکا ہے" فرزانہ نے اسے ٹٹولنے کے
لیے پوچھا۔

"میں با اصول ضرور ہوں، لیکن ساتھ ہی بے رحم بھی ہوں
.... میرا باپ بے رحم نہیں تھا، وہ دشمنوں کو زندہ رہنے
کا موقع دیتا رہتا تھا، تاکہ ان سے پھر مقابلہ ہو، جب کہ
میرا اصول ہے، جو دشمن ہتھے چڑھ جائے، اسے ختم کر دو،
چنانچہ تم میرے ہتھے چڑھ چکے ہو اور تمہارا باپ بھی، لہٰذا
قصہ ختم سمجھو"

"پھر بھی ہمیں خوشی ہوئی کہ ایک با اصول باپ کے با اصول
بیٹے کے ہاتھوں اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، کیا
تم اپنا نام نہیں بتاؤ گے"

"ہر وہ بات بتاؤں گا، جو تم پوچھو گے، تمہیں مارنے
کی مجھے کوئی جلدی نہیں" اس نے کہا۔

"تو پھر پہلے تم اپنا نام ہی بتا دو" محمود نے کہا۔

"مجھے جیتال کہتے ہیں، اپنے ملک میں ملاشا کا زلزلہ کے
نام سے مشہور ہوں۔ میں نے پورے ملاشا کا تختہ الٹ دیا
تھا، وہاں اتنا ہولناک انقلاب برپا کیا تھا کہ ملاشا کے لوگ
آج بھی اس انقلاب کو یاد کر کے کانپ اٹھتے ہیں، اس روز

نے میری حکومت مجھ سے صرف دشمن ممالک میں کام نکالنے
کے لیے بھیجتی ہے۔ میرا باپ جب تک زندہ رہا، اس نے
مجھے ادھر کا رخ نہیں کرنے دیا، اس کا خیال تھا کہ اس
ملک کے لیے وہ خود کافی ہے، اب جب کہ وہ مر چکا ہے،
میں یہاں آ گیا ہوں۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"اور مسٹر کالی آنکھ کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میری اب تک اس سے ملاقات نہیں ہوئی، تاہم جب بھی
ملاقات ہوئی میں انکل کہہ کر اسے اپنے گلے سے لگا لوں گا،
کیونکہ آخر وقت تک اس نے میرے باپ کو بچانے کی کوشش
کی۔ میری خواہش ہے کہ وہ اور میں مل کر کوئی مہم سر انجام
دیں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! اگر کبھی ایسا موقع آیا تو ہمیں ضرور اطلاع
دیجیے گا۔" فاروق نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"تمہیں تو پھر دوسری دنیا میں ہی اطلاع دینا پڑے گی۔"

"فکر نہ کرو، ہم وہاں کا پتا تمہیں لکھ بھیجیں گے۔" فاروق بولا۔

"یہ بات ماننا پڑے گی کہ تم لوگ واقعی زندہ دل ہو۔"

"زندہ دل لوگ ہی تو جیا کرتے ہیں۔" محمود نے کہا پھر بولا:

"تو کیا عارف وارثی تم سے ہی ملنے کے لیے آیا تھا۔"

"ہاں! ویسے شہر میں میرے کچھ اور آدمی بھی اس وقت کام
کر رہے ہیں، عارف وارثی سے ان کا بھی رابطہ قائم ہے۔"

"عارف وارثی سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"وہ اگرچہ اس ملک کا رہنے والا ہے، لیکن ہمارے ہاتھوں
بکا ہوا ہے، ہم اس سے ضرورت پڑنے پر کام لیتے رہتے
ہیں۔" جیتال نے بتایا۔

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے، ابھی تمہارا منصوبہ نامکمل
ہے اور تم مہمان وزیرِ دفاع کو نشانہ بنانے کی فکر میں ہو۔"

"ہاں! اس کے بغیر میرا یہ مشن ناکام گنا جائے گا۔"
جیتال بولا۔

"اب ہمارے بارے میں کیا پروگرام ہے۔"

"مجھے عارف وارثی کا انتظار ہے، وہ پہنچنے والا ہی ہوگا۔"

"کیا جیتال کے نام سے ہمارے والد واقف ہوں گے۔"

"ضرور! کیونکہ ملاشا کے واقعے نے مجھے پوری دنیا میں
مشہور کر دیا اور دوسرے ملکوں کی سیکرٹ سروس والے مجھ
سے ڈرنے لگے ہیں۔"

"اب میری ایک درخواست ہے۔" فاروق نے اچانک
کچھ سوچ کر کہا۔

"درخواست..... کیا مطلب؟" جیتال نے حیران ہو کر کہا۔
عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

○

شہر میں داخل ہوتے ہی عارف وارثی کی کار کا رُخ سمندر
کی طرف ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید نے یہ دیکھ کر حیرت سے پلکیں
جھپکائیں اور پھر جیپ اسی طرف موڑ لی۔ سورج غروب ہو چکا
تھا اور شہر کی روشنیاں جگمگا اٹھیں تھیں۔ انسپکٹر جمشید حیران
تھے کہ عارف وارثی سمندر کی طرف کیا کرنے جا رہا ہے۔

آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ساحلِ سمندر کے قریب پہنچ
گئے، لیکن یہاں بھی عارف وارثی نے اپنی کار نہ روکی بلکہ ساحلی
سڑک پر بڑھتا ہی چلا گیا، آخر ایک غیر آباد ساحل پر اس
نے کار روک لی، یہاں ساحل کے قریب ایک موٹر بوٹ کھڑی
تھی۔ عارف وارثی کار سے اترا اور بوٹ کی طرف چلا گیا۔
انہوں نے اسے بوٹ میں داخل ہوتے دیکھا تو خود بھی تیزی سے
نیچے اترے اور ساحل کی طرف دوڑ پڑے، بوٹ ابھی حرکت میں
نہیں آئی تھی کہ وہ بھی اس پر سوار ہو گئے۔ بوٹ لمحہ بہ لمحہ
ساحل سے دور ہونے لگی۔ انسپکٹر جمشید کی حیرت بڑھتی جا
رہی تھی۔ کشتی کافی بڑی تھی، عارف وارثی باہر سے انہیں
نظر نہیں آ رہا تھا، چنانچہ انہوں نے اندر جانے کا فیصلہ کر
لیا۔ سوچے سمجھے بغیر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ موٹر بوٹ خود بخود چلی
جا رہی تھی اور عارف وارثی کا کہیں پتا نہ تھا۔ انہوں نے
جلدی جلدی ساری بوٹ دیکھ ڈالی۔ پھر باہر نکل کر ساحل
کی طرف نظر ڈالی تو عارف وارثی ربڑ کی ایک کشتی میں ساحل
کی طرف جاتا دکھائی دیا۔۔۔ انہیں اپنی طرف دیکھتے پا کر
اس نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور چلا کر بولا:

"خدا حافظ انسپکٹر جمشید، تمہیں اپنا آخری سفر مبارک ہو،
مجھے معلوم تھا کہ تم سب کی نظروں سے چھپ کر دوسری دنیا
کے سفر پر روانہ ہو گے، یہ کشتی تمہیں اب سمندر ہی سمندر
میں لے جائے گی، تم اس کا رُخ موڑ نہیں سکو گے۔۔۔ اور
کشتی اس قدر آگے بڑھ چکی ہے کہ تم سمندر میں چھلانگ لگا
کر تیر کر کنارے تک نہیں پہنچ سکو گے، پہاڑ جتنی اونچائی
والی چھالیں تمہیں کہیں کا کہیں لے جائیں گی، واضح رہے، یہ ساحل
خونی ساحل کے نام سے مشہور ہے، اس نے بہت سے لوگوں کو
اپنے کنارے پر سے نگل لیا ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ ہلانا بند کر دیا اور
کشتی کھینے لگا۔ ربڑ کی کشتی بہت تیزی سے اوپر نیچے ہو
رہی تھی، لیکن چونکہ عارف وارثی نے خود کو کشتی سے بندھی
رسی سے جکڑ رکھا تھا، اس لیے اسے ان چھالوں سے کوئی

خطرہ نہیں تھا۔

انسپکٹر جمشید تیزی سے مڑے، کشتی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اور اسے گھمانے کی کوشش کی، لیکن سٹیرنگ ٹس سے مس نہ ہوا۔ انہوں نے بار بار کوشش کی، لیکن کچھ نہ بنا۔ اب تو انہیں یقین ہو چلا کہ عارف وارثی نے بہت ٹھوس وار کیا ہے۔ موٹر بوٹ طوفانی رفتار سے سمندر میں آگے ہی آگے جا رہی تھی، ایسے میں بھی انہوں نے اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیے اور پوری کشتی کا تفصیل سے جائزہ لینے لگے۔ یہ وہ پہلے ہی اندازہ لگا چکے تھے کہ تیر کر ساحل تک جانا واقعی ناممکن ہے۔ یہ کوئی دریا نہیں تھا جس میں تیرنا آسان ہوتا۔ عین اسی وقت انہیں ایک اور بات یاد آئی، آج رات چاند کی تیرہویں رات تھی، چاند کی روشنی میں سمندر کی چھالیں اور بھی بلند ہو جاتی ہیں۔

اب انہوں نے پوری توجہ سٹیرنگ پر لگا دی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ سٹیرنگ گھمانے میں کامیاب ہو گئے تو ساحل پر پہنچنا کچھ مشکل نہ ہوگا، لیکن سوال تو یہ تھا کہ سٹیرنگ گھمائیں تو کیسے، اسے تو نہ جانے کس طرح جام کر دیا۔ انہوں نے موٹر بوٹ کے دوسرے پرزوں کا جائزہ لیا، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سٹیرنگ کو کس طرح ناکارہ بنایا گیا ہے۔ اب انہوں نے

ایک بار پھر موٹر بوٹ میں موجود چیزوں کا جائزہ لیا۔ آخر ان کی نظریں لکڑی کے ایک تختے پر جم گئیں، یہ تختہ موٹر بوٹ کا دروازہ تھا۔ انہوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی، ہاتھوں کی مدد سے قبضے نہ اکھڑے تو انہوں نے دروازے کی چٹخنی لگا دی اور پیچھے ہٹ کر شانے کی ٹکر دروازے پر دے ماری۔ دروازہ چرچرایا، لیکن دوسری طرف نہیں گرا، اب ان پر جنون کی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے پے در پے کئی ٹکریں دے ماریں، اچانک دروازہ دھڑام سے دوسری طرف گرا۔ موٹر بوٹ کی ریلنگ وہ ایک جگہ سے پہلے ہی ٹوٹی ہوئی دیکھ چکے تھے، اس جگہ کو نائیلون کی مضبوط ڈوری سے باندھا گیا تھا۔ ڈوری کافی تعداد میں لپیٹی گئی تھی، دروازہ اکھاڑ پھینکنے کے بعد انہوں نے وہ رسی کھولی، دروازے کو اپنی کمر پر رکھا اور نائیلون کی رسی کے ذریعے اسے اپنے جسم کے ساتھ جکڑنے لگے، اس کام میں انہوں نے چٹخنی اور قبضوں سے بہت مدد لی۔ ان میں رسی آسانی سے پھنس گئی۔ تمام رسی لپیٹنے کے بعد صورت یہ بن گئی کہ تختہ ان کی کمر کے ساتھ چپک کر رہ گیا۔ موٹر بوٹ اس وقت تک پوری رفتار سے چلتی ہوئی کئی میل آگے آ چکی تھی۔ انہوں نے ایک نظر آسمان پر ڈالی، چاند نکل آیا تھا اور ساحل کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا۔

تھا، آخر انہوں نے خدا کو یاد کیا اور موٹر بوٹ سے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ پانی پر چھپ کی آواز کے ساتھ گرے لیکن تختے کی وجہ سے پانی کے نیچے نہ جا سکے، ورنہ اصول کے مطابق پہلے وہ پانی میں نیچے جاتے اور پھر انہیں پانی اوپر اچھالتا۔ جونہی ان کا جسم پانی کے ساتھ ٹکرایا، انہوں نے ساحل کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ چھال جب ساحل کی طرف جاتی تو ان کی رفتار حد درجے تیز ہو جاتی، لیکن جب چھال واپس لوٹتی تو ان کا آگے بڑھنا نہ بڑھنے کے برابر ہو جاتا، تاہم تختی کی مدد سے اتنا ضرور ہو گیا تھا کہ اب وہ پانی کے اوپر ہی اوپر سفر کر رہے تھے، نیچے جانے سے بچ گئے تھے، کوئی چھال ان کے اوپر بھی آجاتی، تو بھی وہ فوراً اوپر آجاتے اور شاید یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی تیراکی کے فن میں مہارت بھی کام آ رہی تھی، اگر وہ ایک بہترین تیراک نہ ہوتے تو شاید یہ تختہ بھی ان کے لیے بچت کا سامان نہ پیدا کر سکتا، اس وقت یہ خوفناک منظر دیکھنے والا کوئی نہ تھا، پہاڑ کے برابر موجوں سے ایک انسان جنگ کر رہا تھا، اس کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں تھی، لیکن آخر کار تنکا جیت گیا، سمندر کی طوفانی موجیں ہار گئیں، آخر ساحل ان کی طرف سمٹ آیا۔

زندگی اور موت کے اس مقابلے میں زندگی نے ان کی طرف بانہیں پھیلا دیں، لیکن جب وہ ساحل پر آگرے تو ان میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ اٹھ کر کھڑے ہی ہو جاتے، نہ جانے وہ کتنی دیر تک بے سدھ پڑے رہے۔ آخر کار وہ اٹھے، اپنے جسم سے تختے کو الگ کیا اور لڑکھڑاتے قدموں سے شہر کی طرف چل پڑے۔ شہری حدود سے پہلے ہی ایک کار...
...ان کے قریب سے گزری، کار ساحل کی طرف جا رہی تھی۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ کار رک گئی، انہوں نے دیکھا، اندر ایک نوجوان مرد اور ایک عورت کے ساتھ دو بچے بیٹھے تھے۔

"آپ لوگ شاید ساحل کی طرف جا رہے ہیں" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں! کیا آپ بھی ساحل کی طرف جائیں گے، لیکن یہ آپ کو کیا ہوا؟" نوجوان نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"میں ساحل کی طرف سے آیا ہوں، میرے ایک نے مجھے سمندر میں غرق کرنے کی کوشش کی تھی، سمندر کی موجوں سے جنگ کرنے کے بعد میں ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا، اب مجھے اس دشمن سے نمٹنا ہے، کیوں کہ میرے بچے بھی اس کے قبضے میں ہیں، وہ انہیں بھی ہلاک کرنا چاہے گا، لہٰذا میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنی

سیر کا یہ پروگرام کسی اور دن پر اٹھا رکھیں، یا مجھے صرف شہر تک پہنچا دیں جہاں سے میں کوئی ٹیکسی پکڑ سکوں، اس کے بعد آپ ادھر آ جائیے گا۔ یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا"

"کوئی بات نہیں۔ آپ تشریف رکھیے۔"

انسپکٹر جمشید بچوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ نوجوان نے کار واپس موڑ لی اور وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"اس آدمی کو آپ سے کیا دشمنی ہے؟" نوجوان کی بیوی نے پوچھا۔

"دراصل وہ میری ذات کا دشمن نہیں ہے، بلکہ اس ملک اور قوم کا دشمن ہے۔" انہوں نے کہا۔

"جی کیا مطلب!"

"میں محکمہ سراغرسانی میں ملازم ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، اب سب کی نظریں ان پر جم گئیں۔ آخر ان کے برابر بیٹھے ہوئے لڑکے نے کہا

"آپ کا چہرہ تو کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے، کہیں آپ انسپکٹر جمشید تو نہیں۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہو!" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

کار پوری رفتار سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔

تہ خانے کی دیوار

دستک کے فوراً بعد انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، جس کا مطلب یہ تھا کہ مکان میں جیتال کے علاوہ بھی کچھ آدمی موجود ہیں۔ پھر قدموں کی آہٹ پیدا ہوئی اور انہوں نے عارف وارثی کو آتے دیکھا:

"مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" جیتال بولا۔

"میں ان کے والد کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر آیا ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے، وہ اس موٹر بوٹ میں داخل ہو گئے تھے۔" جیتال نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں! اور اس وقت موٹر بوٹ تین میل سمندر میں جا چکی تھی۔"

"بہت خوب! موٹر بوٹ کے سٹیرنگ کو میں نے بالکل ناکارہ بنا دیا تھا۔ اس کے ٹھیک ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس کا مطلب ہے، اس وقت تک انسپکٹر جمشید چالیس میل سے بھی زیادہ سمندر میں جا چکا ہوگا، میں یہ پہلے ہی معلومات حاصل کر

چکا ہوں کہ آج کسی بھی ملک سے کوئی بحری جہاز نہیں آئے گا، لہذا
انسپکٹر جمشید کو کوئی امداد نہیں پہنچے گی، لہذا تم تینوں کو چاہیے کہ
اپنی زندگی میں پہلی اور آخری بار ان پر فاتحہ پڑھ لو۔ آخری اس لیے
اس کے بعد لوگ تم پر فاتحہ پڑھیں گے۔" یہاں تک کہہ کر جیتال خاموش
ہو گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ پر جیسے بجلی گری، لیکن پھر فوراً ہی فرزانہ
نے سنبھالا لیا اور بولی:

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہمارے ابا جان بہترین تیراک ہیں اور تیس
چالیس میل تک تیرنا ان کے لیے ناممکن نہیں۔"

"تم سمندر کے اندر کا حال نہیں جانتیں، اس کی چھالوں سے
خدا بچائے۔" جیتال بولا۔

"تم بھی ہمارے ابا جان کو نہیں جانتے۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا، میں تمہیں اس وقت تک زندہ رکھوں گا
جب تک کہ تم اپنے باپ کی زندگی سے مایوس نہیں ہو جاتے۔"
جیتال نے نیا فیصلہ سنایا۔

"بہت خوب! اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"اب تم لوگ یہاں آرام کرو گے۔ مجھے انسپکٹر جمشید کے زندہ
واپس آنے کی کوئی امید نہیں، تاہم ایک لمحے کے لیے میں یہ فرض
بھی کر لوں کہ وہ آ گیا تو تمہیں اس مکان سے نکالنے کے بجائے
میں خود تم تک پہنچ جائے گا، اس کے بعد ہم مہمان وزیر دفاع پر

...ئے اور انہیں ٹھکانے لگانے کے بعد یہاں آئیں گے اور
...ں اس مکان میں ایڑیاں رگڑتے دیکھ کر یہاں سے روانہ ہو
...جائیں گے۔" جیتال نے فیصلہ سنایا۔

"اگر تمہیں دوسروں کو ایڑیاں رگڑتے دیکھنا اتنا ہی پسند ہے
...ں ابھی ایڑیاں رگڑ کر دکھا دوں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ ایڑیاں رگڑنا اور ہو گا، بھوک اور پیاس سے مرتے وقت ایڑیاں
رگڑنا مختلف ہوتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے، تمہیں اس کا بہت تجربہ ہے۔" فرزانہ نے
چوٹ کی۔

"ہاں! میں نے بہت سے لوگوں کو ایڑیاں رگڑ کر مرتے دیکھا
ہے۔" جیتال بھی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"بہت خوب! اگر خدا ایسا وقت لایا تو ہم تم سے وعدہ کرتے
ہیں، ایسی ایڑیاں رگڑیں گے کہ کیا کسی نے رگڑی ہوں گی۔" فاروق
نے نئی کہی۔

"ارے ہاں! تم کوئی درخواست کرنے لگے تھے۔" جیتال کو
اچانک یاد آیا۔

"ہاں! میں یہ درخواست کرنا چاہتا تھا کہ ہم تم سے مقابلہ کرنا
چاہتے ہیں، لیکن اب اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ تمہارے
یہاں کچھ اور ساتھی بھی موجود ہیں۔ اگر ہم نے تمہیں شکست دے

بھی دی تو وہ لوگ پستول نکال لیں گے۔"

"تم اور مجھے شکست دو گے، بھئی بہت خوب! اس وقت میں جلدی میں ہوں، موقع ملا تو تم لوگوں کے ساتھ ضرور مقابلہ کروں گا۔ چلو وارثی ان لوگوں کو نیچے پہنچا دو۔ تاکہ انسپکٹر جمشید اگر بچ بھی جائے تو بھی اس پنجرے دان میں پھنس جائے۔" جیتال نے بے رحم لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر!" عارف وارثی نے کہا۔

"پنجرے دان!" محمود کے منہ سے سوالیہ لہجے میں نکلا۔

"ہاں! یہ مکان ایک پنجرہ ہے، یہ مجھے اتفاق سے مل گیا تھا، میں نے اس میں کچھ تبدیلیاں کرا لیں اور اب یہ ایک پنجرہ بن چکا ہے۔"

"گویا تم یہاں کافی دنوں سے موجود ہو۔"

"ہاں بھئی! اس قسم کے منصوبوں کے لیے بہت پہلے سے تیاری کرنا پڑتی ہے، تم لوگ یونہی تو یہاں نظر نہیں آ رہے ہو۔" اس نے ہنس کر کہا۔

اسی وقت عارف وارثی نے جیب سے پستول نکال کر ان کی طرف تان دیا اور انہیں کھڑے ہونے کے لیے کہا۔ اس کمرے سے نکال کر وہ انہیں دوسرے کمرے میں لایا تو وہاں انہیں ایک دروازہ نظر آیا۔ تلاشی کے دوران انہیں یہ دروازہ نظر نہیں آیا تھا۔

اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ آگے بڑھے تو دروازے کے ساتھ سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں۔ عارف وارثی نے انہیں نیچے چلنے کا اشارہ کیا۔

تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مشورہ کیا، وہ اگر چاہتے تو عارف وارثی پر ایک ساتھ حملہ کر کے اس پر قابو پا سکتے تھے، لیکن ابھی یہاں جیتال اور اس کے کچھ اور ساتھی موجود تھے اور اس موقع پر کچھ کر گزرنے کا انہیں کوئی فائدہ نہیں رہا تھا، لہٰذا انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے یہی کہا کہ نیچے چلے چلو، بعد میں دیکھا جائے گا، چنانچہ انہوں نے قدم اٹھائے اور آگے پیچھے سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔

آخری سیڑھی اترنے کے بعد انہوں نے مڑ کر دیکھا، عارف وارثی ان کے پیچھے نہیں آیا تھا، وہ انہیں اوپر کھڑا نظر آیا۔

"میں نیچے آنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔" یہ کہتے ہی اس نے تہہ خانے کا دروازہ بند کر دیا۔

تینوں مڑے، یہاں بھی مٹی کے تیل کا ایک لیمپ جل رہا تھا۔ ہوا میں گھٹن تھی۔ شاید گندی ہوا نکلنے کا خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ تہہ خانہ کافی بڑا تھا، فرش کچا تھا۔ اس پر اینٹیں بھی نہیں تھیں۔ ایک طرف انہیں کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چند صفیں پڑی نظر آئیں۔

"شاید یہ ہمارے بستر ہیں۔" محمود بڑبڑایا۔

"اوپر سے مکان جس قدر بڑا ہے، یہ تہہ خانہ اس سے تقریباً نصف ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے اور اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ......"

عین اسی وقت انہیں ایک پُراسرار سی آواز سنائی دی۔ انہوں نے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس کیے۔

"یا خدا یہ کیسی آواز تھی۔" فرزانہ نے کپکپائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آواز دھپ دھپ کی سی تھی۔" محمود بولا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے تہہ خانے کی دیوار دھپ دھپائی ہو۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"تہہ خانے کی دیوار..... تو کیا دوسری طرف بھی کوئی تہہ خانہ ہے۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، معلوم ہوتا ہے، دوسرے تہہ خانے میں بھی کوئی شخص قید ہے اور وہ بے قرار ہو کر دیوار دھپ دھپا بیٹھا ہے۔"

"ہوں! تم ٹھیک کہتے ہو، آؤ دیوار سے کان لگا کر دیکھیں۔" فرزانہ بولی۔

تینوں نے آگے بڑھ کر دیوار سے کان لگا دیے، لیکن

ئی آواز سنائی نہ دی۔ آخر محمود نے دیوار پہ دو تین بار زور ور سے ہاتھ مارا۔ فوراً ہی دوسری طرف سے بھی یہی کیا گیا۔

"اب اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرف بھی کوئی یدی موجود ہے۔"

"ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اور کرنے کے لیے کام بہت، سب سے پہلے کیوں نہ ہم اس دیوار میں ننھا سا سوراخ کر کے یہ معلوم کریں کہ ادھر کون ہے۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہم تہہ خانے سے باہر جانے کے لیے دروازہ کھولنے کا طریقہ معلوم کریں، کیونکہ جیتال یہ کہہ چکا ہے کہ ابا جان کے لیے بھی یہ مکان ایک پنجرہ ثابت ہوگا، بشرطیکہ وہ واپس آئے۔"

"وہ انشاء اللہ واپس آئیں گے..... اور اس پنجرے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گے۔" فرزانہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"تو ان سے پہلے ہم یہ کیوں نہ کریں۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... آؤ دروازے کا جائزہ لیں۔"

ادھر دیوار پہ بدستور دھپ دھپ ہو رہی تھی، شاید ادھر سے دھپ دھپ کی آواز سن کر دوسری طرف کے قیدی کی بے قراری اور بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے سیڑھیوں پہ چڑھ کر

دروازہ کھولنے کی کوشش کی، پہلے تینوں نے ہاتھوں سے زور
لگایا، جب ناکام رہے تو کسی کیل وغیرہ کی تلاش میں آس
پاس کی دیوار کو دیکھا، لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا:
"مشکل ہے، جیتال نے اتنا کچا کام تو نہیں کیا ہو گا"
محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔
"مایوسی گناہ ہے" فرزانہ بولی۔
"بے شک! ہم بھی مایوس نہیں ہوں گے اور آخر دم
تک کوشش کرتے رہیں گے" فاروق بولا۔
"فاروق تمہاری شوخی کہاں گئی" فرزانہ نے چونک کر کہا،
کیونکہ جب سے وہ نیچے اترے تھے، فاروق نے کوئی ایسا
جملہ نہیں بولا تھا جس سے شوخی اور شرارت ظاہر ہوتی۔
"کیوں، کیا اسے آواز دوں" فاروق بولا۔
"ہاں! کیونکہ تمہاری باتوں کے بغیر یہ تہہ خانہ مقبرہ محسوس
ہونے لگے گا"
"لیکن عام طور پہ تم میری زبان کو برا بھلا کہتی رہتی
ہو" فاروق مسکرایا۔
"عام طور پہ ہی نا.... خاص طور پہ تو نہیں" فرزانہ
نے جواب دیا۔
"اچھا تو سنو! میری تجویز یہ ہے کہ پہلے ہم محمود کے ذریعے

ریں سوراخ کر کے دوسرے قیدی سے بات کریں، کم از کم یہ
معلوم ہو کہ وہ کون ہے، اس کے بعد ہم دروازہ کھولنے
کوشش کریں گے" فاروق نے کہا۔
"یہ تم نے شوخ بات کی ہے"
"شاید شوخی اور طراری آج مجھ سے روٹھ گئی ہیں، اب میں
تہہ خانے میں انہیں مناؤں تو کیسے"
"کیوں! تہہ خانے میں منانے میں کیا مشکل ہے" محمود نے
ن ہو کر کہا۔
"اس لیے کہ شوخی اور طراری کا اس تہہ خانے سے کوئی
نہیں" فاروق مسکرایا۔
"ہوں! بات تو ٹھیک ہے، تو پھر آؤ، پہلے دیوار میں
راخ کریں"
تینوں نیچے اترنے ہی لگے تھے کہ انہیں اپنے سروں پر
موں کی آواز سنائی دی۔

○

"اوپر کون ہے، ابا جان کیا یہ آپ ہیں" فاروق پاگلوں
کی طرح چلایا۔
"کیا بے وقوفی ہے، بھلا ہماری آواز تہہ خانے سے اوپر کس

طرح جا سکتی ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"لیکن دھپ دھپانے کی آواز ضرور جا سکتی ہے۔" فرزانہ بولی۔

فرزانہ کی بات سے دونوں نے اتفاق کیا اور تہہ خانے کا دروازہ زور زور سے پیٹنے لگے۔ جواب فوراً ہی ملا... اوپر سے بھی کسی نے دیوار پر دھپ دھپ کی۔

"میرا دل کہتا ہے کہ یہ ابا جان ہیں۔" فرزانہ نے خوشی سے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"خدا کرے، تمہارا دل ٹھیک کہتا ہو۔" محمود بولا۔

"لیکن اگر وہ تہہ خانے کا دروازہ کھول کر اندر آ گئے، تو پھر ہم باہر نہیں نکل سکیں گے۔ کیونکہ جیتال اسے ہمارے لیے ایک پنجرہ بنا چکا ہے۔" فاروق بولا۔

"ہوں! اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم زینے پر موجود رہیں، جونہی ابا جان اوپر سے دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوں، ہم انہیں نیچے آنے سے منع کر دیں۔" محمود نے کہا۔

اور وہ انتظار کرنے لگے۔ اچانک انہوں نے تہہ خانے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی محمود چلایا:

"ابا جان! آپ نیچے نہ آئیے گا۔"

"کیوں! کیا بات ہے؟" اوپر سے انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ ہیں، جیتال نے ہمیں اندر بند کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر آپ زندہ واپس آ بھی گئے تو بھی یہ مکان آپ کے لیے پنجرہ بن جائے گا۔"

"جیتال! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید خوفزدہ انداز میں چلائے۔

"کیا آپ جیتال کو جانتے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"ہاں! بہت اچھی طرح.... وہ جیرال کا بیٹا ہے، ایک ایسا بیٹا جس کی سازشوں سے بڑے بڑے ملک گھبراتے ہیں، حکومتوں کا تختہ الٹنے میں یہ شخص خاص مہارت رکھتا ہے، لیکن وہ یہاں کہاں؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس سارے معاملے میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"اوہ! تو ساری سازش اسی کی تھی، میں پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ وہ کون شخص ہے، جو چال پر چال چل رہا ہے اور اس کی ہر چال کامیاب بیٹھی ہے۔"

"لیکن ابا جان! اس کا ایک وار خالی جا چکا ہے، یعنی وہ مہمان وزیر کو گولی کا نشانہ نہیں بنا سکا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے خیر! اگر میرے نیچے آنے میں خطرہ ہے تو تم اوپر آ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے ابا جان! ہم آ رہے ہیں۔"

تینوں اوپر چڑھنے لگے، لیکن جونہی سب سے اوپر والی سیڑھی

پر محمود کا قدم پڑا۔ ان کے اور دروازے کے درمیان لو
کا ایک جنگلا آگیا اور وہ بھونچکے رہ گئے۔

"ہوں! میں سمجھ گیا، اگر میں نیچے اترتا تو یہ جنگلا درمیان
میں آجاتا، اس تہہ خانے میں بھی ضرور جیتال نے کاریگری دکھ
ہے، وہ ایک بہترین انجینئر بھی ہے، بلکہ پہلے وہ ایک انجن
ہی تھا۔"

"اب آپ کیا کریں گے؟"

"کچھ نہ کچھ تو کر ہی لوں گا، تم فکر نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔

"ابا جان! یہاں ایک اور قیدی بھی ہے۔" فرزانہ نے یاد ک
پر انہیں بتایا۔

"ایک اور قیدی۔ تمہارا مطلب ہے، نیچے تمہارے ساتھ؟" انہو
نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی نہیں، اس تہہ خانے کے ساتھ ایک اور تہہ خانہ بھی
ہے، وہ اس میں بند ہے، کچھ دیر پہلے وہ پاگلوں کی طرح دیوار
کو تھپ تھپا رہا تھا۔

"اوہ! پھر تو اسے دیکھنا چاہیے کہ کون ہے، ٹھہرو، میں اس
تہہ خانے کا دروازہ بھی کھولنے کی کوشش کرتا ہوں، ظاہ
ہے، اس طرف کا دروازہ بھی اسی طرح کھلے گا۔"

یہ کہہ کر وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئے اور پھر انہوں نے
ایک اور دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔

"ابا جان! آپ نیچے نہ جائیے گا۔" فرزانہ نے بے چین
ہو کر کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا اور دوسرے دروازے کے
قریب منہ لے جا کر بلند آواز میں کہا۔

"نیچے کون ہے، اوپر آجاؤ، میں نے دروازہ کھول دیا ہے۔"

چند لمحے تک سناٹا طاری رہا، آخر قدموں کی آواز سنائی دی۔
وہ سب اسے دیکھنے کے لیے بے چین تھے، لیکن ظاہر ہے کہ
وہ تینوں اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"ابا جان! کیا وہ آپ کو نظر آرہا ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! وہ اوپر آرہا ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"میں کیا بتا سکتا ہوں کہ کون ہے، ہوگا کوئی مظلوم....
جیتال کا کوئی شکار، ٹھہرو! میں اس سے بات کرتا ہوں......
ارے!" ان کے منہ سے بعد میں چونکنے کے انداز میں نکلا:

"کیا ہوا ابا جان!" فرزانہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ادھر بھی ایک جنگلا موجود ہے، مطلب یہ کہ تمہاری طرح
وہ بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔" انہوں نے جواب دیا اور پھر دوسری

طرف منہ کرکے بولے:

"تم کون ہو دوست اور تمہیں یہاں کس نے بند کیا ہے؟" انہوں نے اردو میں سوال کیا، لیکن وہ نہ سمجھا تو اپنا سوال انگریزی میں دہرایا۔

"میں نہیں جانتا، میں کون ہوں۔" اس نے کہا

"کیا مطلب.... تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم کون ہو۔"

"ہاں! میں نہیں جانتا۔" میں کون ہوں اور یہاں کس نے قید کیا ہے۔" اس نے انگریزی میں جواب دیا۔

"کیا مطلب..... تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم کون ہو۔"

"ہاں! میں نہیں جانتا۔"

"تم یہاں کب سے قید ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ میں یہاں کب سے قید ہوں، یوں لگتا ہے جیسے صدیوں سے قید ہوں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم میرا نام کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"تمہیں کچھ معلوم بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"نہیں۔"

اچھا خیر! ٹھہرو، میں تمہیں اس قید سے نجات دلانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

انہوں نے جنگلہ ہٹانے کے لیے کسی بٹن یا کیل کی تلاش

شروع کردی۔ آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اب تو قیدی سے رہا نہ گیا۔

"آخر تم مجھے کب اس قید سے نکالو گے۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں، آرام سے بیٹھے رہو۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔ پھر کچھ خیال آنے پر وہ مکان کے بیرونی دروازے کی طرف گئے، واپس آئے تو ان کے چہرے پر عجیب سی بیچارگی کا عالم تھا، یہ حالت دیکھ کر فرزانہ نے پوچھا:

"خیر تو ہے ابا جان۔"

"ہاں! سب خیریت ہے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ مقابلہ جیتال سے ہے، ورنہ ان حالات کو نہ پہنچتے، ویسے جیتال نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہ مکان ہمارے لیے ایک پنجرہ ثابت ہوگا۔"

"کیا مطلب؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں بیرونی دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے، اب اگر میں تم لوگوں کو جنگلہ ہٹا کر باہر نکال بھی لوں، تب بھی ہم مکان میں قید ہی ہوں گے۔"

"اوہ!"

وہ دھک سے رہ گئے۔

ایوانِ صدر میں

چند لمحے تک موت کی سی خاموشی طاری رہی۔ پھر انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

"اگر یہ مکان ہمارے لیے واقعی پنجرہ بن گیا ہے تو کیا ہوا، اس پنجرے سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نکل ہی آئے گا، محمود تم اپنا چاقو مجھے دے دو، اور اس کے بعد سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

محمود نے اپنے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال کر جنگلے میں سے انہیں دے دیا اور انہوں نے جنگلوں کے ہٹانے کے لیے کسی کیل یا بٹن کی تلاش ایک بار پھر شروع کر دی۔ انہیں مکان سے باہر نکلنے کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی ان جباروں کو تہہ خانے سے نکالنے کی، کیونکہ مکان سے نکلنے کی ترکیب تو وہ مل جل کر ہی کر سکتے تھے۔ جب کوئی کیل نہ ملی تو انہیں اچانک ایک خیال آیا۔ انہوں نے جنگلوں کا بغور جائزہ لینا شروع کیا، اور پھر ان کا دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔

جب جنگلے میں لوہے کا ایک سوئچ سا لگا نظر آیا۔ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر اس سوئچ کو دبا دیا، آناً فاناً میں جنگلا کسی صندوق کے ڈھکنے کی طرح نیچے گر گیا، محمود، فاروق اور فرزانہ تیزی سے سیڑھی پر چڑھے اور ان کے پاس پہنچ گئے۔ اب وہ دوسرے قیدی والے جنگلے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب جنگلے کو کھولنا مشکل نہیں تھا، لہٰذا جلد ہی قیدی بھی ان کے ساتھ کھڑا تھا:

"اف خدا! نہ جانے میں کب سے یہاں بند تھا، لیکن سوال تو یہ ہے کہ اب میں جاؤں گا کہاں، مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔" قیدی بولا۔

"فکر نہ کرو، ہم تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیں گے، ہمارے پاس اس کے بہت سے طریقے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ پھر انہوں نے قیدی کی اچھی طرح تلاشی لی، مگر اس کے کپڑوں سے کوئی ایسی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں مدد ملتی۔

آخر انہوں نے مکان سے باہر نکلنے کی کوشش شروع کر دی۔ پہلے انہوں نے بیرونی دروازے پر زور آزمائی کی، جب وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا تو مکان کی چھت پر آئے۔۔۔

۔۔۔چھت سے نیچے جھانکا، خاصی بلندی تھی اور مکان میں

کوئی رسی وغیرہ نہیں تھی۔

"ہاں بھئی! اب کیا کریں؟" انسپکٹر جمشید تھکے تھکے انداز میں مسکرائے۔

"چاقو کی مدد سے کسی دیوار میں سوراخ کر کے کیوں نہ دیکھا جائے، ہو سکتا ہے ہم کوئی اینٹ اکھاڑنے میں کامیاب ہو جائیں۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"اگر دیواریں سیمنٹ سے بنائی گئی ہیں، اور اینٹوں کے جوڑنے میں سیمنٹ استعمال کیا گیا ہے، تب تو چاقو بے کار ثابت ہو گا، ورنہ کام بن سکتا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے دیواروں کا جائزہ لینا شروع کیا، ان کی مایوسی کی کوئی حد نہ رہی، کیونکہ دیواریں بہت پختہ تھیں۔

"اب صرف ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے۔" آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اور وہ کیا؟" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ کہ میں چھت پر سے چھلانگ لگا دوں اور باہر سے دروازہ کھول دوں۔"

"لیکن.... کیا آپ اتنی بلندی سے چھلانگ لگائیں گے، آپ کو چوٹ نہیں آئے گی؟"

"چوٹ آنے کا امکان ہے، لیکن ہم سب کا یہاں پھنس کر رہ جانا بھی تو مناسب نہیں، ادھر مہمان وزیر کی زندگی خطرے میں

ہے، اگر ہم نے بروقت بندوبست نہ کیا تو جیتال ضرور اپنے ند میں کامیاب ہو جائے گا۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، اس کے باوجود ہمیں ڈر سوس ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"خطرہ مول لینا ہی پڑے گا، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، ویسے م فکر نہ کرو، زمین کچی ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے منڈیر کا رُخ کیا۔ ان کے دل دھک ھک کرنے لگے۔ انسپکٹر جمشید نے خود کو تولا، نیچے دیکھا اور پھر ایک خاص رُخ سے چھلانگ لگا دی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ منڈیر سے نیچے دیکھنے لگے۔ انہوں نے دیکھا، جونہی ان کے والد کے پاؤں زمین سے ٹکرائے، وہ اچھل کر سیدھے کھڑے ہو گئے، لیکن دوسرا لمحہ بوکھلا دینے کے لیے کافی تھا، عین اسی وقت ان پر کوئی شخص ٹوٹ پڑا تھا۔

انسپکٹر جمشید کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مکان کے باہر اب تک جیتال کا کوئی ساتھی گھات لگائے بیٹھا ہو گا، حالانکہ جیتال ان کے راستے میں ہر قدم پر رکاوٹ کھڑی کر گیا تھا۔ بے خبر ہونے کی وجہ سے انسپکٹر جمشید سنبھل نہ سکے اور حملہ آور کے نیچے دب، فوراً ہی حملہ آور کا دایاں ہاتھ اوپر اٹھا، خنجر کی چمک لہرائی، ساتھ ہی محمود، فاروق اور فرزانہ چلائے۔

"ابا جان بچیے۔"
خنجر والا ہاتھ تیزی سے انسپکٹر جمشید کے سینے کی طرف گیا،
لیکن اسی وقت انہوں نے اسے کلائی پر سے دبوچ لیا۔ اب
حملہ آور خنجر کو سینے کی طرف لے جانے کے لیے زور لگا رہا تھا
اور وہ اسے اپنے سینے سے دور رکھنے کے لیے زور لگا رہے تھے۔
یہ دیکھ کر فرزانہ چلا اٹھی:
"اب میں رک نہیں سکتی، ہٹو! میں بھی چھلانگ لگاتی ہوں۔"
"نہیں فرزانہ تم چھلانگ نہیں لگاؤ گی۔" نیچے سے انسپکٹر جمشید
چلائے، ساتھ ہی انہوں نے زور لگایا اور حملہ آور کو اپنے اوپر سے
اچھال پھینکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب وہ سنبھل چکے تھے، جونہی
حملہ آور خنجر تان کر ان کی طرف آیا، انہوں نے ایک جھکائی دی اور
اس کی کنپٹی پر ایک بھرپور ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ تیورا کر گرا اور پھر
نہ اٹھ سکا۔ اس کے ہاتھ سے خنجر لے کر انہوں نے اس کی کنپٹی پر
ایک مکا اور مارا۔ جب یہ اندازہ کر لیا کہ اب کئی گھنٹے تک
ہوش میں نہیں آئے گا تو دروازہ کی طرف بڑھے اور چٹخنی گرا دی۔
اتنی دیر میں محمود، فاروق اور فرزانہ قیدی کو لے کر نیچے آ چکے
تھے۔ قیدی خوف زدہ نظروں سے بے ہوش آدمی کو دیکھ رہا
تھا۔ انسپکٹر جمشید نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی تو انہیں یوں لگا جیسے
وہ جاگتے ہوئے بھی گہری نیند میں ہو۔

انہوں نے اپنی جیپ گھنی جھاڑیوں کے پیچھے چھپائی تھی، انہیں
ساتھ لے کر وہ جیپ تک آئے۔ قیدی بلا چون وچرا ان کا ساتھ
دے رہا تھا۔ جیپ میں بیٹھتے وقت بھی اس نے دیر نہ لگائی۔
چند لمحوں بعد وہ شہر کی طرف اڑے جا رہے تھے۔
"خدا کرے جیتال ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا ہو۔"
فرزانہ کے منہ سے دعا نکلی۔
"انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
قیدی کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا تھا۔ کچھ سوچ کر انسپکٹر جمشید
نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے کہا:
"اس سے باتیں کرو اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ یہ کون
ہے، شاید ہمیں اس سے کوئی مدد مل جائے، ہو سکتا ہے، یہ
ہمیں جیتال کے بارے میں کچھ بتا دے۔"
"جی بہتر!" محمود نے کہا اور پھر قیدی کی طرف مڑا:
"کیوں دوست! تمہیں کچھ یاد آیا یا نہیں کہ تم کون ہو، تمہارا
نام کیا ہے، کہاں کے رہنے والے ہو؟"
"نہیں! میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ بولا۔
"جن لوگوں نے تمہیں قید کیا، ان کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟"
"نہیں!"
انہوں نے بہت کوشش کی مگر وہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہ

بتا سکا۔ یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید ایک پبلک فون بوتھ کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں سے انہوں نے اکرام کو فون کیا، اسے کچھ ہدایات دیں اور پھر چل پڑے۔ دفتر پہنچے تو اکرام وہاں موجود تھا۔ اس نے قیدی کو اس کے حوالے کیا، اسے کھانا دانا کھلانے اور آرام کے لیے بستر دینے کی ہدایت کی اور دفتر میں ہی موجود رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے وہ ایوانِ صدر کی طرف روانہ ہو گئے

ایوانِ صدر کے باہر انہیں روک لیا گیا، دروازے پر کھڑے پولیس کے آفیسروں نے انہیں بتایا کہ اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں۔ شاید وہ آفیسر انہیں جانتے بھی نہیں تھے۔

"کیا اندر آئی جی صاحب موجود ہیں" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں! وہ جا چکے ہیں"

"بہت خوب! کیا وزیرِ خارجہ موجود ہیں"

"وہ تشریف رکھتے ہیں"

"تب پھر آپ انہیں یہ اطلاع بھجوا دیں کہ جمشید فوری طور پر ملنا چاہتا ہے"

"جمشید، کیا مطلب" پولیس آفیسر چونکا۔

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں"

"اوہو! یہ آپ ہیں، مجھے افسوس ہے، اس کے باوجود میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ اندر پیغام بھجوا دوں" اس نے مصافحہ کرتے

ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ!"

پھر جونہی وزیرِ خارجہ کو ان کا پیغام ملا، انہوں نے انہیں اندر بلوایا۔ خود ایک علیحدہ کمرہ میں چلے آئے۔ یہیں انسپکٹر جمشید اور ان تینوں کو پہنچا دیا گیا۔

"خیر تو ہے جمشید" انہوں نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ان کے بعد محمود، فاروق اور فرزانہ سے بھی ہاتھ ملائے۔

"مہمان بخیر و عافیت تو ہیں"

"ہاں بالکل ٹھیک ہیں"

"تو پھر سنیے! ان کے خلاف سازش میں جیتال کا ہاتھ ہے۔"

"کیا!!! وزیرِ خارجہ خوف زدہ انداز میں چلائے"

"جی ہاں! اور وہ ان تین دنوں کے دوران ہر حالت میں مہمان کو ختم کر دینے پر تلا ہے، تاکہ ہمارے ملک کا وقار خاک میں مل جائے"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی وہ تمام واقعات کہہ سنائے جو گزر چکے تھے۔ وزیرِ خارجہ حیرت زدہ انداز میں سنتے رہے۔ آخر انہوں نے کہا۔

"پھر! اب کیا ہو گا"

"میں چاہتا ہوں، ہم چاروں مہمان کے آس پاس رہیں"

"ٹھیک ہے، آؤ میرے ساتھ۔"

وہ انہیں لے کر اس ہال میں پہنچے جس میں مہمان کے اعزاز میں دعوت دی جا رہی تھی۔ ان کے آس پاس کی کرسیاں تو خالی نہیں تھیں، البتہ ادھر ادھر اور سامنے کی چند کرسیاں خالی تھیں، چنانچہ انہیں ان پر ہی بیٹھنے کا اشارہ کر کے وزیر خارجہ اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔

دوسری طرف انسپکٹر جمشید محمود، فاروق اور فرزانہ کی نظریں مہمان کے چہرے پر کیا پڑیں کہ انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا، انہوں نے شدید قسم کی بے چینی محسوس کی۔ ہال کمرے میں اگرچہ ایئر کنڈیشنر چل رہے تھے، لیکن انہیں شدید گرمی اور حبس کا احساس ہوا۔

نقاب یا.....

"یار! یہ کیا چکر ہے؟" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔ "ہم نے مہمان کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ان کی کوئی تصویر بھی نہیں دیکھی، لیکن اس کے باوجود یہ ہمیں جانے پہچانے لگ رہے ہیں۔"

"ہمارا حال بھی یہی ہے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ ہم انہیں کہیں دیکھ چکے ہیں۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"محمود، فاروق! تم دونوں کا کیا خیال ہے، کہیں مجھے اور فرزانہ کو وہم تو نہیں ہوا؟" انسپکٹر جمشید کسی گہری سوچ میں گم بولے۔

"جو آپ کا خیال ہے، وہی میرا بھی ہے۔" محمود نے کہا۔

"میرے محسوسات بھی آپ سے مختلف نہیں ہیں۔"

"اب ہم کیا کریں، اس الجھن کو کیسے ختم کریں، مصیبت یہ ہے کہ یہاں اس وقت صدرِ مملکت بھی موجود ہیں.... اور تمام وزرا بھی۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"تو ابا جان! اس میں فکر مند ہونے والی کیا بات ہے، ہو سکتا ہے، مہمان وزیر کی شکل کسی سے بہت زیادہ ملتی ہو۔"

"ہوں! مجھے کچھ سوچنے دو۔" انہوں نے کہا اور واقعی سوچ میں گم ہو گئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے سر اوپر اٹھایا اور ادھر ادھر دیکھا، پھر ایک بیرے کو اشارے سے قریب بلایا:

"کیوں بھئی! کھانے کے بعد کیا پروگرام ہے۔"

"کافی کا دور چلے گا سر!" اس نے بتایا۔

"اور کافی کے بعد؟"

"کافی کے بعد مہمان، صدر مملکت اور چند دوسرے وزرا سے علیحدگی میں ضروری مذاکرات کریں گے۔"

"یہ مذاکرات کتنی دیر جاری رہیں گے؟"

"تقریباً ایک گھنٹہ۔"

"بہت بہت شکریہ!" انہوں نے کہا اور بیرا پھر اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

کافی کے بعد جب مہمان وزیر دفاع، صدر مملکت اور دوسرے وزراء اٹھ کر مذاکرات کے کمرہ میں چلے گئے تو انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون کیا، اسے کچھ ہدایات دیں اور پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے:

"کیا تم جیتال کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟"

"جی ہاں کیوں نہیں۔" محمود نے کہا اور اس کا حلیہ تفصیل سے بیان کر دیا۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ جیتال ہی تھا۔" وہ بولے اور پھر کوئی خیال آنے پر ایک بار پھر فون کا ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر گھمائے۔ اس طرح انہوں نے تین چار لوگوں کو فون کیے۔ اسی وقت ایک بار باوردی نگران ان کی طرف آیا:

"کوئی سب انسپکٹر اکرام اندر آنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ انہیں آنے دیں۔"

"ان کے ساتھ ایک شخص اور بھی ہے۔"

"اسے بھی آنے دیں۔"

"بہت بہتر! وزیر داخلہ کی مجھے یہی ہدایت ہے کہ آپ کی ہدایات پر عمل کروں۔" یہ کہہ کر وہ مڑا اور چلا گیا۔

"ابا جان! انکل اکرام کسے ساتھ لے کر آئے ہیں۔" فرزانہ نے پوچھا!

"کیا ابھی تک تم نے اندازہ نہیں لگایا؟"

"جی ہاں! لگایا تو ہے، شاید وہ اس دوسرے قیدی کو لے کر آئے ہیں۔"

"ہاں!" انسپکٹر جمشید بولے۔

چند لمحے بعد ہی اکرام قیدی کے ساتھ ان تک پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر وہ چونکے، اب انہیں یاد آیا، مہمان وزیر کو دیکھ کر انہیں یہ کیوں محسوس ہوا تھا کہ انہیں کہیں دیکھ چکے ہیں۔ مہمان وزیر میں

اور اس قیدی میں کافی حد تک مشابہت تھی۔

"آپ نے اسے یہاں کیوں بلایا ہے سر!"

"اس کی ضرورت تھی بھئی، اسے قابو میں رکھنا۔" انسپکٹر جمشید بولے

جی کیا مطلب"! اکرام چونکا۔

"مطلب یہ کہ کہیں یہ بھاگ نہ جائے۔"

"یہ بے چارہ کیا بھاگے گا، یہ تو بالکل معصوم ہے، اسے کچھ پتا ہی نہیں۔" اکرام بولا۔

"دیکھتے جاؤ! یہ کیا چیز ثابت ہوتا ہے۔"

انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بیرے سے انہوں نے مذاکرات روم کا راستہ پوچھا۔ تو اس نے کہا:

"لیکن سر! اس طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، میں چلا جایا کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ان پانچوں کو ساتھ لیا اور مذاکرات روم کی طرف چل پڑے۔ دروازے پر مشین گنوں والے نگران موجود تھے۔ انہوں نے مشین گنیں ان کی طرف تان دیں۔

"اس طرف آنا منع ہے۔"

"اندر پیغام بھیج دیا جائے، انسپکٹر جمشید ایک انتہائی سنگین ضرورت کے تحت اندر آنا چاہتے ہیں۔"

ہمیں یہ ہدایت ہے کہ کوئی شخص بھی مذاکرات کے دوران

دخل نہ دے۔"

"اچھا تو وزیر خارجہ صاحب کو یہ پیغام بھیج دیں کہ وہ باہر آکر میری ایک بات سن لیں۔"

"بہتر! میں یہ کیے دیتا ہوں، لیکن ذمے داری آپ کی ہوگی۔" نگران نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں، آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

ان میں سے ایک نگران دروازہ کھول کر اندر چلا گیا اور پھر وزیر خارجہ کے باہر آنے میں دیر نہ لگی۔ ان کے چہرے پر ناخوشگوار اثرات تھے، لیکن انسپکٹر جمشید نے کوئی پروا نہ کی۔

"خیر تو ہے جمشید!"

"میں اندر آنا چاہتا ہوں۔" وہ بولے۔

"مگر کیوں؟" انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"ایک انتہائی سنگین معاملہ ہے۔"

"تم مجھے بتا دو، میں دیکھ لوں گا۔"

"مجھے افسوس ہے، میں ایسا نہیں کر سکتا، بات اندر چل کر ہی ہوگی، مہربانی فرما کر ہمیں اندر جانے کی اجازت دیں۔"

"صدر مملکت اسے پسند نہیں کریں گے۔"

"وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! یہ میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں، معاملہ واقعی سنگین

ہو گا، تم پہلے ہی جیتال کا نام لے چکے ہو، خیر دیکھا جائے گا،
آؤ اندر۔"

وہ ان کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ اس شاہانہ کمرے میں
صدرِ مملکت مہمان کے ساتھ صوفے پر بیٹھے تھے، دوسرے وزیران
کے سامنے دوسرے صوفے پر تھے۔ قدموں کی آہٹ سن کر انہوں
نے ایک ساتھ نظریں اوپر اٹھائیں اور پھر حیرت اور ناخوش گواری
سے ان کی آنکھیں سکڑ گئیں۔

"جمشید تم! صدر کے منہ سے نکلا۔

"میں اس مداخلت پر بہت شرمندہ ہوں، لیکن اس کے سوا
چارہ نہیں تھا۔"

"خیر! جلدی بتاؤ.... بات کیا ہے، تم بلا وجہ نہیں آ سکتے۔"

"جی ہاں! میں آپ سب کی توجہ اس شخص کی طرف دلانا چاہتا
ہوں..... ذرا اسے غور سے دیکھیے۔"

انہوں نے قیدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سب نے
اس کی طرف دیکھا، لیکن کچھ نہ سمجھے۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس شخص کے چہرے میں اور
ہمارے مہمان کے چہرے میں کس قدر مشابہت ہے، دونوں کے
نقش و نگار کس قدر ملتے جلتے ہیں۔"

"ہاں! یہ تو ہے، پھر اس سے کیا؟" صدر صاحب بولے۔

"مہمان جب تشریف لا رہے تھے تو ان کی کار پر حملہ کیا گیا
تھا، فائر بھی ہوا تھا اور دھوئیں کا بم بھی مارا گیا، حالاں کہ
دھوئیں کے بم کی کوئی ضرورت نہیں تھی، تاہم خیال یہ کیا گیا کہ
شاید حملہ آوروں نے دھوئیں کا بم اس لیے مارا تھا کہ مہمان
کو بچانے کی کوشش بھی نہ کی جا سکے، لیکن دراصل بات یہ نہیں
تھی۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"تو پھر کیا بات تھی؟" وزیر خارجہ حیران ہو کر بولے۔

"بات میں ابھی بتاتا ہوں، پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ مہمان
کی کار کے پاس سے مجھے ایک چیز ملی تھی اور وہ یہ تھی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے وہ نقاب نکال کر دکھا دی۔

"یہ تو نقاب ہے۔"

"پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ یہ نقاب ہے، لیکن اب معلوم
ہوا، دراصل یہ گیس ماسک ہے اور اسے دھوئیں سے بچنے
کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔"

"ہم ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو!" صدر
صاحب نے قدرے ناراض ہو کر کہا۔

"ذرا یہ سوچیے کہ بھلا ایک گیس ماسک کی وہاں کیا ضرورت
تھی، کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آئے گی، لیکن دراصل ہوا یہ
تھا کہ پہلے مہمان کی کار پر فائر کیا گیا، پھر دھوئیں کا بم مارا گیا،

اس کے بعد ایک شخص یہ گیس ماسک پہن کر کار کے پاس آیا، اس
نے کار کی بتیاں روشن کر دیں، کیونکہ دھوئیں کی وجہ سے اندھیرا
تھا، پھر اس نے بے ہوش مہمان وزیر کے کپڑے اتار کر خود
پہن لیے اور اپنے کپڑے اتار کر مہمان وزیر کے جسم پر ڈال
دیے، اس کے مددگار فوراً وہاں آئے اور انہیں گھسیٹ لے
گئے، نقلی مہمان خود اصلی مہمان کی جگہ کار میں بیٹھ گیا، اس
نے گیس ماسک اتار کر سڑک پر پھینک دی اور پھر خود بھی
دھوئیں سے بے ہوش ہو گیا، اس نے مہمان کا میک اپ پہلے
سے کر رکھا تھا۔ اصل مہمان کو یہاں سے کافی دور جنگل میں ایک
مکان میں بنائے گئے تہہ خانے میں قید کر دیا گیا۔ اسے ایک
ایسا ٹیکہ بھی لگا دیا گیا جس سے وقتی طور پر اس کا دماغ ماؤف
ہو گیا۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی طاقت جاتی رہی، چنانچہ میں آپ
کی خدمت میں اصل مہمان کو پیش کرنے آیا ہوں، تاکہ آپ
قیمتی معلومات دشمن ملک کے جاسوس کو نہ دے دیں، اسے خفیہ
فوجی ٹھکانے نہ دکھا دیں۔"

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید تو خاموش ہو گئے، ہال
میں موجود باقی تمام لوگوں پر گویا سکتہ طاری ہو گیا۔ ان کا یہ
حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ دوسری طرف نقلی مہمان کا
چہرہ سفید پڑ گیا۔ آخر صدر مملکت نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا:

"اس کا ثبوت کیا ہے؟"

"جب نقلی مہمان کے چہرے کو امونیا سے دھویا جائے گا تو
کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ خبردار مسٹر نقلی وزیر.....
تم حرکت نہیں کرو گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے سب انسپکٹر اکرام
کی بیلٹ سے پستول نکال کر اس پر تان لیا۔ کیونکہ ان کے پاس
تو اپنا پستول تھا ہی نہیں، وہ شاید سمندر کی نذر ہو گیا تھا۔
ساتھ ہی انہوں نے اکرام سے کہا:

"اکرام! اس کی جیب سے پستول نکال لو۔"

اکرام پہلے تو جھجکا پھر آگے بڑھ کر پستول نقلی مہمان کی جیب
سے نکال لیا.... اور پھر آدھ گھنٹے کے اندر انسپکٹر جمشید نے اسے
نقلی مہمان ثابت کر دیا۔ فوراً ہی ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم ایوانِ
صدر میں بلائی گئی، انہوں نے اصل مہمان کا معائنہ کیا اور پھر
انسپکٹر جمشید کے خیال کو درست قرار دیا۔ انہوں نے کچھ دوائیں
تجویز کیں، تین انجکشن بھی لگائے اور بتایا کہ ایک گھنٹے تک وہ
اپنی اصلی حالت پر آ جائیں گے۔ ادھر انسپکٹر جمشید نے پولیس کے
کچھ ذمے دار لوگوں کو جنگل والے مکان کی طرف روانہ کیا، تاکہ
وہاں موجود بے ہوش آدمی کو گرفتار کر لیں اور مکان پر بھی قبضہ
کر لیں۔ فاضل چیمبر کے کمرہ نمبر تین سو انیس پر چھاپہ مار کر عارف

وارثی کو بھی گرفتار کر لیا گیا، جیتال کی گرفتاری کے سلسلے میں مختلف
جگہوں پہ چھاپے مارے گئے مگر اس کا کوئی پتا نہ چلا، اس دوران
سب لوگ ایوان صدر کے اس کمرے میں موجود رہے، صدر مملکت
اور دوسرے وزراء کا مارے حیرت اور خوف کے بُرا حال تھا،
وہ انسپکٹر جمشید کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہے تھے جیسے
وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ آخر صدرِ مملکت نے جذبات
سے لبریز آواز میں کہا:

"جمشید! میں تمہیں سلام کرتا ہوں، پوری قوم تمہیں سلام کرتی
ہے، تم اس ملک اور قوم کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہو۔" صدر
نے محمود، فاروق اور فرزانہ کا بھی شکریہ ادا کیا اور ان سے
نہایت گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ آخر انہوں نے ان سے رخصت لی
اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

"ابا جان! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کمرہ نمبر تین سو انیس
میں وہ نقاب پوش کون تھا۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"بھئی یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے، ذہن پر زور دو،
میں نے تو دراصل سڑک پر ملنے والی اس نقاب کے پیچھے سب
کچھ دیکھ لیا تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ جیتال تھا۔" محمود نے
حیران ہو کر کہا۔

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

جونہی وہ گھر میں داخل ہوئے، فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید
نے ریسیور اٹھایا، فون سنا اور پھر مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل میں
رکھ دیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے سوالیہ نظروں سے ان کی
طرف دیکھا تو بولے:

"جیتال تھا۔"

"ارے!" ان کے منہ سے ایک بار پھر حیرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"ہاں! کہہ رہا تھا، مجھے ناکامی کی اطلاع مل گئی ہے،
بہت جلد وہ پھر یہاں آئے گا اور اگلا پچھلا حساب صاف
کرے گا۔"

"صرف حساب صاف کرے گا، کتاب نہیں۔" فاروق نے
منہ بنا کر کہا اور وہ سب مسکرانے لگے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود
فاروق
فرزانہ
اور
انسپکٹر
جمشید کے
کارنامے ۲۹

خونی محل

مصنف : اشتیاق احمد

قیمت ۹ روپے

- وہ محل بھی عجیب تھا۔
- اس میں ایک بڑھیا کی جان کا کوئی دشمن بنا ہوا تھا۔
- بڑھیا پر تین بار حملہ ہوا، لیکن وہ پھر بھی بچ گئی۔
- اس نے انسپکٹر جمشید کو مدد کے لیے بلایا، لیکن انسپکٹر جمشید نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھیج دیا۔
- کیس بہت الجھا ہوا تھا، محمود، فاروق اور فرزانہ بھی الجھ گئے۔
- آخر اس محل میں کیا ہو رہا تھا، شمالی کھڑکی کو کون استعمال کر رہا تھا۔

آپ چونک چونک اٹھیں گے۔

فریبی قاتل کے بعد

اشتیاق احمد کا بڑوں کے لیے دوسرا ناول

چھلاوے

مصنف اشتیاق احمد

چھلاوے کو ایک تہلکہ خیز خط موصول ہوا۔
وہ زلزلہ بن کر انسپکٹر سرفراز کے مقابلے پر آ گئے۔
سارجنٹ فاضل کی بوکھلاہٹیں عروج پر۔ آپ قہقہے پر قہقہہ لگائیں گے۔
...... کون تھی۔
ناول کا اختتام آپ کو چونکائے بغیر نہیں رہے گا۔

قیمت : ۲/- روپے